فاران
جون ۱۹۷۰
ماہر القادری

یہ بات محبوب کی شان میں سمجھ لیجئے یا
اپنے رفیقِ خاص سگریٹ کے۔ تو کی
تعریف میں، دونوں پر صادق آتی ہے۔

۲۵ پیسے میں ۱۰ سگریٹ ۵۰ پیسے میں ۲۰ سگریٹ

کوالٹی میں سب سے اونچا فروخت میں سب سے زیادہ

تمباکو کی صنعت میں
واحد بڑا قومی ادارہ

UNITED/PTI - 1/70

اپنے
خوابوں کا
محل

PRODUCTS AT YOUR SERVICE
PYE
Mahomed Ebrahim

شمارہ :- ۳ — جلد :- ۲۲

ایڈیٹر :- ماہر القادری

ترتیب

سالانہ چندہ :- ۷ روپے ● پبلشر :- ماہر القادری ● قیمت فی پرچہ :- ۶۲ پیسے

دفتر ماہنامہ فاران کیمبل اسٹریٹ کراچی ملا

باہتمام مستفیض احمد صدیقی پبلشر ماہر القادری نے اسٹرننشل پریس میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ فاران کیمبل اسٹریٹ کراچی ملا سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ اوّل

اسے ملت اور مسلمانوں کی بد نصیبی نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے کہ جماعت اسلامی جو "اقامت دین" کی جامع دعوت لے کر اٹھی ہے، وہ شروع ہی سے تنقید و اعتراض کا ہدف رہی ہے، عمل و عقیدہ کی خرابی کی تہمت جوڑنے کے لئے کوئی گوشہ ہاتھ نہ آیا تو شروع شروع میں "جماعت اسلامی" کے نام پر اعتراض وارد کیا گیا کہ "جماعت اسلامی" کے علاوہ مسلمانوں کے دوسرے ادارے، انجمنیں اور مکاتیب فکر کیا "غیر اسلامی" ہیں! کتنا کمزور، بودا بلکہ بے بنیاد اعتراض! جواب میں عرض کیا گیا کہ بہت سے اسکولوں، کالجوں، انجمنوں اور سوسائٹیوں کے ناموں کے ساتھ "مسلم" اور "اسلامی" لکھا اور بولا جاتا ہے، تو کیا "مسلم" اور "اسلام" کی نسبت سے یہ سمجھ لیا جائے کہ ان اداروں، سوسائٹیوں اور درسگاہوں کے علاوہ مسلمانوں کے تمام دوسرے ادارے کافروں اور غیر مسلموں کے ادارے ہیں۔

اس لغو اعتراض کی صدائے بازگشت فضا میں تحلیل ہونے لگی تو یہ شوشہ چھوڑا گیا کہ مولانا مودودی اپنے "مجدد" ہونے کا دعویٰ کرنے والے ہیں، مستقبل نے اس اعتراض کی لغویت بھی نمایاں کردی اور معترضین کے دلوں کے بغض کو ظاہر کردیا ــــــ یہ کہ مولانا مودودی کسی دینی منصب کا دعویٰ کئے بغیر سیدھے سادے طریقہ پر اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کئے جارہے ہیں، مودودی صاحب نے کسی کشف والہام، لطیفۂ غیبی یا ملاءِ اعلیٰ سے ربط اور وہاں سے ہدایت حاصل کرنے کا کوئی دعویٰ نہیں کیا، وہ مدعی نہیں "داعی" ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے پورے کے پورے دین کو نافذ اور برپا کرنے کی دعوت دے رہے ہیں! خود مولانا مودودی صاحب نے "مجددیت" کے دعوے کی تردید کی تو اس پر معترضین نے یہ پینترا بدلا کہ مودودی صاحب کی تردید کردینے سے کیا ہوتا ہے، اُن کے بعد اُن کے معتقدین مودودی صاحب کو "مجدد" ہی کہیں گے! پھر مولانا مودودی کے بعض سفاک معترضین اور جماعتِ اسلامی کے نامنصف ناقدین بلکہ مخالفین اور معاندین نے حجاز میں جاکر یہ پروپیگنڈا کیا کہ یہ شخص (مودودی) تو نبوت کا دعویٰ کرنے والا تھا، ہم نے جیسے تیسے اس دعوے سے اُس کو باز رکھا ہے!

جب معاندین کے یہ تمام اعتراض سوکھے تنکوں کی مانند ہوا میں اُڑ گئے، تو پھر دلوں کا بغض تدریجاً شدید ہوتا چلا گیا، مسلمانوں کو جماعتِ اسلامی سے بدظن کرنے کے لئے یہ ہوائی چھوڑی گئی کہ جماعتِ اسلامی کے ارکان اپنے علاوہ دوسرے تمام مسلمانوں کو خارج از دین سمجھتے ہیں اور یہ جماعت دراصل خوارج کی جماعت ہے، اس اعتراض کی

بھی قلعی کھول گئی کہ جماعتِ اسلامی کو خوارج کے مسلک سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے جو مسلمان جماعت اسلامی میں شامل نہیں ہیں، اُن کو جماعتِ اسلامی مسلمان اور صاحب ایمان سمجھتی ہے! یہاں تک کہ جماعتِ اسلامی کے ارکان اپنے مخالفین کو بھی مسلمان ہی کہتے اور سمجھتے ہیں! جماعتِ اسلامی سے اختلاف کفر نہیں ہے۔ جماعت اسلامی میں شامل ہو کر جماعت سے نکل جانے کے بعد بھی کوئی مسلمان دین سے خارج نہیں ہو جاتا!

جب اس اعتراض کے غبارے کی بھی ہوا نکل گئی تو شرارت و عناد نے یہ روپ دھارا کہ جماعتِ اسلامی ایک نیا فرقہ بنتا جا رہا ہے، جماعتِ اسلامی کے مسلک کو "مودودیت" سے تعبیر کیا گیا، حالانکہ جماعت اسلامی نہ تو "کلامی عقائد" کے اعتبار سے کوئی ایسی جماعت ہے جیسے معتزلہ، اشاعرہ، اور قدریہ کی طرح کوئی نیا فرقہ کہا جا سکے اور نہ فقہ میں جماعت اسلامی اپنا کوئی مخصوص مکتب فکر اور تمام فقہی مذاہب سے جداگانہ مسلک رکھتی ہے، جماعت اسلامی کسی جہت و عنوان سے بھی ملت کا کوئی نیا "فرقہ" نہیں ہے! جماعت والے عام مسلمانوں کے ساتھ اور مسلمانوں کی امامت میں نمازیں پڑھتے ہیں، جماعت کی جداگانہ مسجدیں بھی نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں کے "فرقوں" کے اختلاف کے مقابلہ میں جماعتِ اسلامی میں وحدت و جامعیت کا یہ رنگ نظر آتا ہے کہ احناف شوافع اور اہل حدیث تک جماعت اسلامی میں شامل ہیں اور یہ سب حضرات مل جل کر اقامت دین کی جدوجہد کر رہے ہیں، فقہی مذاہب کے فروعی اختلافات ان کی جدوجہد کی راہ میں روک نہیں بنتے وہ سب ایک دوسرے کو مسلمان اور دینی بھائی سمجھتے ہیں۔ جماعتِ اسلامی جو دینی اخوت کی عملاً محرک و داعی ہے، اُسے "فرقہ" کہنا حقیقت کی تضحیک ہے! یہ کتنا بڑا المیہ ہے اللہ کا دین اس قدر غریب و اجنبی ہو گیا ہے کہ اقامتِ دین کی دعوت کو لوگ "فرقہ سازی" سے تعبیر کرتے ہیں!

مولانا مودودی نے اپنی تحریروں میں اس کا اعلان کیا ہے کہ فقہی مسائل میں میری رائے کی پابندی جماعتِ اسلامی کے ارکان کے لئے ضروری نہیں ہے، اس طرح مولانا نے فقہی مسائل میں اپنی رائے اور مشورت کی تقلید کو جماعت کے متوسلین کے لئے غیر ضروری قرار دے کر جماعت کے "فرقہ" بننے کے امکانات کی سرے سے جڑ ہی کاٹ دی! اس صورت میں جماعتِ اسلامی پر "مودودی جماعت" کی طنز یا جماعت کے ارکان و متفقین سے "مودودیت" کی نسبت کس قدر غلط اور خلافِ واقعہ ہے، مولانا مودودی صاحب کا کلام و فقہ اور عقائد و اعمال میں کوئی جداگانہ مسلک نہیں ہے!

ائمہ فقہ کے اختلافی مسائل کے درمیان محاکمہ کا فرض البتہ مولانا مودودی صاحب نے انجام دیا ہے، مگر دینی نقطہ نگاہ سے یہ کوئی ناپسندیدہ بات نہیں ہے، نہ ایسا کرنے سے دین میں کسی قسم کی کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے، مولانا مودودی نے بے شک عجمی تصوف اور جامد تقلید پر تنقید کی ہے، مگر اس تنقید کے مرتکب خلف و سلف میں بہت سے اکابر و اہل علم ہو چکے ہیں! مولانا مودودی جب یہ کہتے ہیں کہ شخصی تقلید شرک نہیں ہے تو تقلید کے مخالفین کی پیشانیوں پر غصہ کی شکنیں ابھر آتی ہیں اور جب وہ اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ کوئی مسلمان کسی فقہی امام کی تقلید سے نکل کر، دین سے نہیں نکلتا تو مقلدین چیں بہ جبیں ہو جاتے ہیں! اس دور میں اس شخص کو ہر طبقہ کی برہمی اور ناپسندیدگی سے دوچار ہونا پڑتا ہے، جو افراط و تفریط کے مقابلہ میں اعتدال و توازن کی راہ اختیار کرتا ہے!

جو حضرات اہل تقلید یا اہل سنت والجماعت کے حلقے میں جس کی طرف سے اہلِ حدیث کے مسلک کے بارے میں طنز و تعریض ہی کا معاملہ رہا ہے، مولانا [illegible] عالم دین ہیں جنہوں نے اہلِ حدیث کے مسلک کو بھی "حق" بتایا ہے۔ مگر مولانا کی اس انصاف پسندی اور حق گوئی کا یہ صلہ دیا گیا کہ ہندوستان کی جمعیۃ اہل حدیث کے ایک رسالے نے جماعت اسلامی کو قادیانیت سے تشبیہ دی! اس ظلم و سفاکی کی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کس سے فریاد کی جائے، جس جماعت کے امیر کو قادیانیت کی تردید میں رسالہ لکھنے پر پھانسی کی سزا کا حکم سنایا گیا ہو، اس کے افکار کا قادیانیت سے جوڑ ملانا، کتنی کھلی ہوئی زیادتی بلکہ سفید جھوٹ ہے!

اہل حدیث کے ایک بہت بڑے عالم دین نے جو وفات پا چکے ہیں، ایک رسالہ لکھ کر یہ ثابت کرنا چاہا کہ مولانا مودودی "منکرینِ حدیث" کے مسلک سے قریب تر ہیں۔ اس اپنی غلط بات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے انہوں نے تقریباً ۳۵ سال پہلے کی مولانا مودودی کی ایک تحریر اپنے مضمون میں بلا تکلف نقل فرما دی، یہ تحریر مسٹر پرویز کے خط کا جواب تھا، اُس وقت پرویز صاحب انکارِ حدیث کے فتنہ میں مبتلا نہیں ہوئے تھے! مولانا مودودی کی تحریر کا یہ اقتباس اس غرض سے شائع کیا گیا تھا تاکہ مسلمان اس غلط فہمی کا شکار ہو جائیں کہ مولانا موصوف اور مسٹر پرویز احادیثِ رسولؐ کے مسئلہ میں ایک ہی جیسا مسلک رکھتے ہیں۔ "فاران" میں ان مولوی صاحب کی اس حرکت پر گرفت کی گئی تو جواب آیا کہ یہ کاتب کی غلطی ہے کہ اس نے اس اقتباس کو مضمون کے متن میں شامل کر دیا، میں نے اُن مرحوم مولوی صاحب کے اس مکتوب کو "فاران" میں شائع کیا تو کاتب کا خط آیا کہ یہ بات صاحب مضمون نے غلط کہی ہے، مجھے جو ہدایت کی گئی تھی، اُس کے مطابق مولانا مودودی کی تحریر اصل مضمون میں شامل کی گئی!

"فاران" میں اس واقعہ کی تمام تفصیل موجود ہے، جسے دیکھ کر ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ کتنی بڑی بڑی اور ثقہ شخصیتوں نے مولانا مودودی کے ساتھ عدل و انصاف کے منافی سلوک کیا ہے۔

ترجمان القرآن اور رسائل و مسائل حصہ اول کے صفحہ [illegible] پر یہ عبارت درج ہے:۔

"۔۔۔۔ ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بنا پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارا کریں۔"

ہندوستان کے سب سے بڑے دار العلوم کے صدر مفتی نے "ناممکن" کو "ممکن" سے بدل کر، بائیس علماء کی "تصویب و تصدیق" کے ساتھ مولانا مودودی کے خلاف ایک فتویٰ صادر فرما دیا!

پھر ایک دوسرے مولوی صاحب نے مولانا مودودی کی اصل کتاب کو دیکھے بغیر، صدر مفتی صاحب کی تحریف کردہ عبارت پر اعتماد فرما کر مولانا (ابو الاعلیٰ مودودی) پر "تقیہ" کی تہمت لگا دی!

مولانا مودودی کی کتاب ——— حقوق الزوجین ——— پر ہفتہ وار "صدق" میں کیرانہ کے ایک مولوی "حبیب احمد صاحب" نے تنقید کرتے ہوئے لکھا تھا۔

"فقہا کا قانون نہایت سخت ہے اور وہ اپنی سختیوں کی وجہ سے عورتوں کی زندگیوں کو تباہ کرنے والا، ان کو بد اخلاقیوں کا۔۔۔۔ کرنے والا اور اُن کو مرتد بنانے والا ہے اس لئے وہ خدا کا قانون نہیں ہو سکتا۔"

یہ عبارت مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی کی ہے مگر صدر مفتی مولانا مہدی حسن صاحب نے اس عبارت کا پیوند مولانا مودودی کے ساتھ جوڑ دیا! اور پھر اس بنائے فاسد پر تنقید و احتساب کی عمارت اٹھتی چلی گئی!

روزنامہ "نوائے پاکستان" لاہور — ۲۶ جون ۵۵ء میں ایک مضمون شائع ہوا — جس کا عنوان تھا:—

"جماعت اسلامی کا لٹریچر خلاف اسلام تصورات پر مشتمل ہے"

اسی عنوان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جماعت اسلامی کو مسلمانوں میں مطعون کرنے کے لئے کیسے کیسے ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے رہے ہیں، اس مضمون میں لکھا گیا:—

"مولوی مودودی صاحب اپنے رسالہ "جبر و قدر" میں لکھتے ہیں — ہر چند کہ میرے نزدیک مسئلہ جبر و قدر جزو ایمان نہیں ہے اور اس کی حیثیت ایک مسئلہ کی ہے۔۔۔"

مولانا مودودی نے اس تنقید کی مضمون کے جواب میں اپنے رسالہ ترجمان القرآن میں اس کذب و افترا کا پردہ چاک کیا:—

"آپ نے میری کتاب "مسئلہ جبر و قدر" کے جس فقرے کا حوالہ دے کر مجھ پر یہ الزام لگایا ہے کہ تم قضا و قدر کو جزو ایمان نہیں سمجھتے، وہ فقرہ میری عبارت کا نہیں ہے بلکہ اس شخص کی عبارت کا ہے جس کے سوالات کے جواب میں میں نے یہ کتاب لکھی ہے۔ آپ کے اس سوال سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یا تو آپ نے میری اس کتاب کو خود نہیں پڑھا یا پھر آپ اتنا بھی نہیں جانتے کہ ایک شخص اپنی کسی تحریر کے درمیان، جس عبارت کو حاشیہ چھوڑ کر واوین کے درمیان نقل کرتا ہے وہ اس کی اپنی عبارت نہیں ہوتی بلکہ دوسرے شخص کی عبارت ہوا کرتی ہے اگر آپ نے یہ کتاب خود نہیں پڑھی بلکہ کہیں سے سن سنا کر اس فقرے کے حوالے سے مجھ پر ایک الزام چسپاں کر دیا ہے، تو آپ خود ہی سوچ لیجیے کہ یہ حرکت کر کے آپ کیسی سخت بے انصافی کے مرتکب ہوئے ہیں اور اگر آپ نے اس کتاب کو خود پڑھا ہے اور پھر بھی آپ یہ نہیں سمجھ سکے کہ جس عبارت کا ایک فقرہ نقل کر رہے ہیں وہ میری عبارت نہیں سائل کی عبارت ہے جس کا جواب دینے کے لیے میں نے اسے نقل کیا ہے تو آپ فرمائیں کہ اس قابلیت اور سمجھ بوجھ کے آدمی کو آخر کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ اتنے بڑے بڑے مسائل کے متعلق دوسروں کے عقائد کی صحت اور عدم صحت کا فیصلہ کرنے بیٹھ جائے"

مولانا مودودی پر یہ تہمت بھی تراشی گئی کہ وہ عقیدہ "شفاعت" کے منکر ہیں اور اس طرح وہ اپنے معتزلی اور خارجی ہونے کا اقرار کرتے ہیں! حالانکہ مولانا نے اپنی تحریر میں یہود و نصاریٰ کے غلط عقیدہ شفاعت کی تردید کی تھی — اور:—

"اس کا اصل مقصد یہ بتانا ہے کہ اس غلط عقیدے کی وجہ سے کس طرح اہل کتاب کا ایمان بالیوم الآخرہ باطل ہو گیا ہے، جس کی بنا پر قرآن میں ان پر الزام لگایا گیا کہ وہ یوم آخر پر ایمان نہیں رکھتے"

اس کے بعد مولانا مودودی لکھتے ہیں :—

"رہا اسلامی عقیدۂ شفاعت [illegible] کی رُو سے یہ ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی عدالت میں شفاعت [illegible] سکے گا، جس کو اللہ اجازت دے اور صرف اُسی شخص کے حق میں [illegible] اجازت دے۔ یومئذ لا تنفع الشفاعۃ الا من اذن له الرحمن ورضی له قولا لا تنفع الشفاعۃ الا من اذن له من ذا الذی یشفع عنده الا باذنه — اس قاعدے کے تحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] شفاعت فرمائیں گے . . . ."

مولانا مودودی — رسول اللہ صلی اللہ [illegible] سنت مطہرہ کو دین میں حجت سمجھتے ہیں ترجمان القرآن کا معرکۃ الآرا "منصب رسالت نمبر" اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے [illegible] حدیث کی اس شمارۂ خاص میں دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں اور غلام احمد پرویز کے جاہلانہ انکار [illegible] کے ساتھ بے وزن اور مخالف دین ثابت کیا گیا ہے، ہاں، چند حدیثوں کے بارے میں [illegible] کلام کیا ہے، اور ایسا کرنے سے اُن کو انکارِ حدیث کا مجرم ٹھیرانا خود اپنی جگہ اخلاقی [illegible] ہے۔ امام فخر الدین رازی اور امام ابن تیمیہ رحمہما اللہ تعالیٰ اور بعض دوسرے محدثین [illegible] حدیث کی صحت کو تسلیم نہیں کیا مگر ایسا کرنے سے ان پر "انکارِ حدیث" کی تہمت نہیں لگائی گئی، [illegible] منہاج السنہ میں ابن تیمیہ فرماتے ہیں :—

"البتہ چند مقامات پر ائمہ حدیث [illegible] بخاری و مسلم سے اتفاق نہیں کیا اور اُن کو صحیح نہیں جانا یہ احادیث [illegible] پر حفاظ حدیث نے تنقید کی ہے . . . . (ترجمہ [illegible])

جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے [illegible] اعتراض کرتے ہیں اس لئے عدل و توازن کی راہ سے ہٹ جاتے ہیں ان کی ناانصافی اور جماعت اسلامی [illegible] صاحب کی دشمنی اور بغض و عداوت کا سب سے کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے شخصیتوں کے [illegible] کا ایک پیمانہ اور ایک معیار نہیں دو معیار اور دو پیمانے وضع کئے ہیں، وہی بات دوسرے [illegible] حضرات اُسے گوارا کرلیتے ہیں اور مولانا مودودی کے قلم سے وہی بات نکل جاتی ہے [illegible] کا ہنگامہ کھڑا کردیتے ہیں، بغض و عداوت کی حد ہوگئی کہ ہندوستان کے سب سے بڑے [illegible] بزرگ کی تحریر کے اقتباس پر اس دھوکے میں کہ یہ مولانا مودودی کی عبارت ہے دارالافتاء [illegible] داغ دیا گیا اور جب حقیقت حال کا علم ہوا تو اپنی جھینپ مٹانے اور شرمندگی چھپانے کے لئے [illegible] کی گئیں کہ اُن پر ہنسی بھی آئے۔ افسوسناکی!

یہ بات سو فیصدی درست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے علاوہ اور کوئی معیارِ حق نہیں ہے، اس عقیدہ سے یہ شوشہ پیدا کیا گیا [illegible] کا عدل اور ثقاہت مجروح ہوتی ہے حالانکہ مولانا مودودی نے تشریح فرما کر صورتِ حال [illegible] تھا :—

"ہمارے نزدیک معیارِ حق سے مراد [illegible] سے مطابقت رکھنا حق ہو، اور جس کے

خلاف ہونا باطل ہو، اس لحاظ سے معیارِ حق صرف خدا کی کتاب اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، صحابہ کرام معیارِ حق نہیں ہیں بلکہ کتاب وسنت کے معیار پر پورے اُترتے ہیں، کتاب وسنت کے معیار پر جانچ کر ہم اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ یہ گروہ برحق ہے ان کے اجماع کو ہم اسی بنا پر حجت مانتے ہیں کہ ان کا کتاب وسنت کی ادنیٰ خلاف ورزی پر متفق ہو جانا ہمارے نزدیک ممکن نہیں ہے (رسائل ومسائل)

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حق گو تھے، حق پسند تھے، بسرِ حق تھے مگر معیارِ حق صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے! اس عقیدے، نظریہ اور فکر میں توازن واعتدال ہے یہ واقعہ اور حق کے مطابق ہے اور اس میں وہ افراط اور غلو نہیں ہے جس سے روکا گیا ہے!

غلط الزام

ہم نے اوپر جو کچھ کہا ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جماعتِ اسلامی اور مولانا مودودی کو بدنام کرنے کے لیے کیسی کیسی غلط تہمتیں اُن پر لگائی گئی ہیں اور بغض وعداوت نے کیسے کیسے ڈھب دکھائے ہیں!

شخصیتوں اور جماعتوں سے اختلاف کیا جا سکتا ہے مگر اختلاف کے بھی کچھ آداب اور حدود ہیں کسی فرد یا جماعت کی دشمنی میں عدل وانصاف کے تمام تقاضوں کو پامال کر دینا شریف آدمیوں کا شیوہ نہیں ہے! پاکستان کے بعض کانگریسی علماء نے جماعتِ اسلامی اور مولانا مودودی کے خلاف کذب وافتراء اور سب وشتم کا جو فتنہ بپا کیا ہے اُس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے! ایسی چھچھوری اور گھٹیا باتوں سے خود علماء کا وقار مجروح ہوتا ہے۔

جماعتِ اسلامی کا نصب العین اقامتِ دین ہے اور وہ اسی جدوجہد میں لگی ہوئی ہے، مگر شیطان کی چالبازی دیکھیے کہ اس نے بعض علماء کی نگاہ میں جماعت اسلامی کی مخالفت اور دشمنی کو خوشنما بنا دیا ہے اور اس طرح شیطان ان "صاحبانِ علم وافتاء" اور "مدعیانِ زہد وتقویٰ" سے جماعتِ اسلامی کی دشمنی کے پردے میں "صدعن سبیل اللہ" اور دینی محاذ کو کمزور کرنے کا کام لے رہا ہے۔

اب تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ دراصل اس کی تمہید ہے کہ مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی مخالفت، اب اُن شخصیتوں کی طرف سے بھی ہو رہی ہے اور مخالفتوں کی یہ لے بتدریج بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے جن سے اقامتِ دین میں جماعت کے ساتھ تعاون کی توقع تھی، اور جو حضرات علم وتقویٰ میں اچھی شہرت رکھتے ہیں:

جماعتِ اسلامی مشرکانہ رسوم وعقائد اور بدعات سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتی، جماعت کا لٹریچر توحید کے تقاضوں کا ترجمان ہے، حضرت مولانا غلام اللہ خاں صاحب جو شرک وبدعت کی تردید اور توحید خالص کی تبلیغ واشاعت میں مشہور ومعروف ہیں اور اپنی حق گوئی اور جرأت ایمانی کی پاداش میں زخم بھی کھا چکے ہیں، اُنہیں تو جماعتِ اسلامی کا مؤید ہونا چاہیے تھا، کئی سال ہوئے کراچی میں مولانا موصوف تشریف لائے تھے میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا، سُنا ہے آپ نے بعض تقریروں میں جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کو مطعون کیا ہے، مولانا محترم نے فرمایا میں نے ایسا نہیں کیا، ایک دوسرے مولوی صاحب کا نام لیا کہ اُنہوں نے ایسا کیا ہوگا!

اس کے بعد حضرت مولانا غلام اللہ خاںؒ کے ماہنامہ "تعلیم القرآن" میں جماعت اسلامی اور مولانا مودودی پر طنز وتشنیع آنے لگی، پھر مرتان پر ایک خاصہ طویل مقالہ شائع ہوا جس کا مرکزی تخیل یہ تھا کہ مولانا مودودی نے اپنی کتاب

"خلافت و ملوکیت" میں "حضرت مروان رضی اللہ عنہ صحابی رسول اور عظیم محدث کی تنقیص کے جرم کا ارتکاب کیا ہے وہ تو بڑی قابل احترام شخصیت اور دینی عظمت کے حامل تھے [illegible] پورا مضمون مروان کے مناقب و محامد سے لبریز تھا! اس مضمون کے پڑھنے کے بعد میں نے تحقیق کی اور تاریخ و سیر کی کتابوں کا مطالعہ کیا، میری اس تحقیق اور مطالعہ کا حاصل یہ نکلا کہ مروان کی شخصیت جمہور امت کے نزدیک پسندیدہ نہیں نہ ہی مولانا مودودی نے مروان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی، آج بھی علماء دین کے ٹریبونل کے روبرو مروان کی شخصیت کا قضیہ پیش کیا جا سکتا ہے، یقین ہے کہ منصفین ([illegible]) کی اکثریت غالب مولانا مودودی سے اتفاق کرے گی! خیال آیا کہ "فاران" میں اس موضوع پر قلم اٹھاؤں یا مولانا غلام اللہ خاں صاحب کو توجہ دلاؤں مگر میں یہ سوچ کر رک گیا کہ ایسا کرنے سے خواہ مخواہ کی چھیڑ پیدا ہو جائیگی!

—— مگر ——

آگے چل کر یہ مخالفت اس حد تک پہونچ گئی :-

> "مودودی جماعت سالہا سال سے اس کوشش میں مصروف ہے کہ اسلام کا ایسا ایڈیشن تیار ہو جائے جس میں اسلام کا نام تو جگہ جگہ ہو لیکن اس کی حقیقت بالکل ختم کر دی جائے اس لئے انھوں نے تفسیر سے لے کر [illegible] اپنے جدید انداز سے کام کیا ہے"
>
> (ماہنامہ "تفہیم القرآن" ماہ اپریل [illegible])

اس جماعت کا نام مودودی جماعت نہیں "جماعت اسلامی" ہے پہلی زیادتی تو یہ کی گئی ہے کہ جماعت کے نام کو بگاڑا گیا پھر جماعت سے یہ سو فیصدی غلط بات منسوب کی گئی کہ —— "وہ (جماعت اسلامی) اسلام کا ایک ایسا ایڈیشن تیار کر رہی ہے جس میں اسلام کا نام تو جگہ جگہ ہو، لیکن اس کی حقیقت بالکل ختم کر دی جائے"! جماعت کا لٹریچر ہزاروں صفحات میں پھیلا ہوا ہے اس کی بعض کتابوں کے بیس بیس ایڈیشن تک شائع ہو چکے ہیں، مولانا مودودی کی متعدد کتابیں دنیا کی اکیس زبانوں میں ترجمہ ہو کر مقبول ہو چکی ہیں اور مصر، شام، عراق، نجد و حجاز، الجزائر، سوڈان اور لیبیا وغیرہ مسلم ممالک کے اکابر علماء نے ان کتابوں کو سراہا ہے، جماعت اسلامی کے اس لٹریچر کے بارے میں یہ اعتراض سننے میں نہیں آیا کہ جماعت اسلام کا کوئی نیا ایڈیشن تیار کر رہی ہے اور وہ اس ایڈیشن کے ذریعہ اسلام کی حقیقت کو ختم کر دینا چاہتی ہے!

"اقامت دین" اور اللہ تعالیٰ کے دین کو پورے کا پورا قائم کرنے کی دعوت اب اتنی غریب، اجنبی اور نامانوس ہو گئی ہے کہ بعض علماء امت تک اسے سن کر کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں اور دعوت دین میں انہیں بے دینی نظر آتی ہے —— کتنا دردناک المیہ! اس دکھ اور اذیت کے اظہار کے لئے الفاظ نہیں مل سکتے!

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد ان ارکان اسلام میں سے آخر کس رکن کو جماعت اسلامی نے بدل دیا ہے یا اس کی اصل روح اور حقیقت کو ختم کر دیا ہے؟ مولانا مودودی کی معرکۃ الآرا کتاب —— "الجہاد فی الاسلام" —— نے جہاد کی اسپرٹ کو ختم کیا ہے یا جہاد کی اہمیت، ضرورت اور افادیت کو اجاگر کیا ہے؟ مولانا موصوف کی تصنیف "پردہ" اس موضوع پر اپنا جواب نہیں رکھتی، اس کتاب میں "حجاب" کی حقیقت مسخ کی گئی ہے یا "حجاب" کی حقیقت کو نمایاں کیا گیا ہے! مولانا کی کتاب "سود" پڑھنے کے بعد قاری سود کی اباحت کا قائل ہوگا یا حرمت کا؟ "اسلام

جوان ۲/۱

جماعت کراچی

اور ضبطِ ولادت " میں وقت کے تقاضے اور محدودِ نسل کی تائید کی گئی ہے یا " اُمتِ محمدی کی کثرت " کو باعث
رحمت بتایا گیا ہے ؟ ان تصانیف کے علاوہ معاشیات پر، سیاست و ریاست پر، دستور و قانون پر، تہذیب و تمدن
اور دوسرے موضوعات پر مولانا مودودی کی کتابیں ہیں، اُن کتابوں میں دین کی حقیقت کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے
یا دین کی قدروں کو نمایاں اور مزین کیا گیا ہے ؟

عرب ملکوں کے سینکڑوں علماء دین اور دانشوروں نے مولانا مودودی کی کتابوں کو پڑھا ہے مگر کسی کو ان
کی کتابوں میں یہ عیب نظر نہیں آیا کہ ان کتابوں میں دین کی حقیقت کو مسخ کیا گیا ہے بلکہ اس کے برخلاف سب نے
مولانا مودودی کی تصانیف کو پسند کیا ہے الجزائر کے مجاہد مفتی اعظم علامہ محمد البشیر الابراہیمی سے لے کر حکومت
شام کے سابق وزیر معارف الاستاذ احمد زرقاء تک سب نے مولانا مودودی کی کتابوں کو سراہا ہے اور مولانا کے تفقہ
اور دینی بصیرت کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے !

پاکستان اور ہندوستان اور دوسرے ملکوں میں ہزاروں نہیں لاکھوں نوجوان ہیں جن کی زندگیوں میں مودودی صاحب
کی کتابیں پڑھ کر نمایاں طور پر دینی انقلاب آیا ہے، خود راولپنڈی میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب کو سینکڑوں
نوجوان مل سکتے ہیں، جو مولانا مودودی کی کتابیں پڑھ کر دین سے قریب آئے ہیں اور ان کے فکر و نظر، عمل و دماغ اور سیرت و کردار
میں اخلاقی انقلاب پیدا ہوا ہے، کتابوں کے ذریعہ دینی انقلاب کا اتنا بڑا کارنامہ متقدمین اور متاخرین میں کم ہی علماء کی
کتابوں نے انجام دیا ہے اور دین سے بیزاری و بے رغبتی، اخلاق سے گریز اور تجدد و مادہ پرستی کے دور میں یہ بہت بڑی کرامت
ہے ! مولانا مودودی کی کتابوں نے نوجوانوں سے مغرب کی مرعوبیت کو ختم کر کے اسلام کی عظمت کو دلوں میں اُتارا ہے ——
جھجکنے اور شرمانے کے بجائے کالجوں کے طلباء سرِ افتخار بلند کر کے اس کا اعلان کر رہے ہیں کہ دین و دنیا کی ترقی کا ضامن
اسلام اور صرف اسلام ہے ! اسلام ہی دین حق ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ باطل ہے، یہی راہِ نجات اور شاہراہِ مغفرت
ہے، انسانیت کے دکھ کا مداوا اسلام ہی کر سکتا ہے اور انسانیت کی فلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے صرف اسلام ہی کو پسند
فرمایا ہے، مولانا مودودی کی کتابوں نے جن نوجوانوں کو " اسلام پسند " بنایا ہے، آج پاکستان میں سوشلزم کے فتنہ کا یہی
" شاہین بچے " مقابلہ کر رہے ہیں اور اس راہ میں اسلامی جمعیۃ طلباء ہی کے ایک رکن کا پہلا خون گرا ہے !

جس شخص کی کتابوں نے دین کی حقیقت کو اُجاگر کیا ہو، اسلام کی حقانیت اور عظمت دلوں میں اُتاری ہو، نوجوان
نسل کی سیرت و کردار میں اخلاق کو سمویا ہو جس کے قلم نے ہر فکری محاذ پر باطل پرستوں کا مقابلہ اور دین کی مدافعت
کی ہو، اُس کے بارے میں یہ تاثر دینا کہ اس کے لٹریچر میں اسلام کی حقیقت کو ختم کیا گیا ہے، واقعہ کی کتنی غلط ترجمانی اور حقیقت
کی کس قدر خلاف واقعہ عکاسی ہے ! مولانا مودودی نے متجددین اور منکرینِ سنت کے بارے میں یہ جملہ لکھا تھا کہ اس مزاج و
فکر کے لوگ اسلام کا نیا ایڈیشن تیار کر رہے ہیں، اسی جملہ کو مولانا غلام اللہ خان صاحب نے اپنی تحریر میں دہرا دیا ہے
اور اس طرح وہ خود مولانا مودودی کے اندازِ نگارش اور اسلوبِ تحریر سے متاثر نظر آتے ہیں آج جہاں سے بھی یہ آواز آ رہی
ہے کہ اسلام دوسرے مذہبوں کی طرح پوجا پاٹ کی چند رسموں کا نام نہیں ہے بلکہ مکمل زندگی دستورِ حیات ہے اور دین و
سیاست کا جامع نظام ہے، یہ مولانا مودودی کے صریرِ خامہ ہی کی " صدائے بازگشت " ہے ! مولانا مودودی کے دینی افکار
نے دورِ حاضر کی مسلمان نسل کو متاثر کیا ہے !

مولانا مودودی کو اللہ تعالیٰ نے علمی ذہانت، دینی بصیرت، استدلال کی قوت اور مطالعہ و مشاہدہ کی وسعت بخشی ان کا انداز نگارش اور اسلوب تحریر اس دور میں کسی عالم دین کو میسر نہیں، اُن کا ذہن نکتہ رس، طبیعت وقاد، خیال بلند اور فکر عمیق ہے کیسے کیسے نازک مسائل مولانا مودودی نے کس قدر سمجھا کر بیان کئے ہیں! مولانا مودودی کی متعدد کتابوں کو ہم اکابر علماء سلف کی شاہکار تصانیف کی برابر رکھ سکتے ہیں! دوسری علمی خوبیوں کے علاوہ اُن کی تحریر میں زبان و ادب کا شستہ پارہ ہوتی ہیں! کارل مارکس کے معاشی نظریات ڈارون کے ارتقاء کی تھیوری اور فرائیڈ کے جنسی لاشعور کا فلسفہ، اسی طرح دوسرے لادینی مغربی نظریوں کا مولانا مودودی نے مطالعہ کیا ہے اور پوری قوت اور علم وشعور کے ساتھ ان فلسفوں اور نظریوں کی تردید کی ہے، مولانا موصوف کے علم و ذہانت کی یہی خوبیاں اُن کے لئے بلائے جان ہو گئی ہیں!

است روشنی طبع تو برمن بلا شدی

کی ضرب المثل مولانا مودودی کی شخصیت پر صادق آتی ہے، کیسے کیسے مدعیان علم و تقویٰ ہیں، جن کے جذبہ رشک وحسد اور داعیہ بغض و عناد کی تسکین مولانا مودودی کو "منشی" کہنے اور اُن کے علمی مرتبہ کو گھٹانے سے ہوتی ہے، یہ فتنہ معاصرت بھی بڑی بلا ہے، بیچارہ غالب چیخ اُٹھا ؎

مباش منکرِ غالب کہ در زمانہ تست

حضرت شیخ القرآن (مولانا غلام اللہ خاں صاحب) نے یہ تک لکھ دیا ہے۔

"ان (مولانا مودودی) کے اسلام میں تحریف قرآن، توہین انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام پر بے بنیاد الزامات اور تنقید، سلفِ صالحین کی تضحیک، امت کی علمی اور مجاہدانہ خدمات کی تحقیر کی ہے اپنے اسلاف سے رشتہ کاٹنے کے لئے سب راستے ہموار کئے گئے ہیں"

"مولانا مودودی اور تحریف قرآن"۔ یہ ایسی ہی بے بنیاد بات بے سروپا الزام، مضحکہ خیز تنقید اور خلافِ واقعہ گرفت ہے، جیسے کوئی یوں کہے —— "سورج اندھیرا پھیلاتا ہے" —— "گلاب سے بدبو آتی ہے" —— "شہد ذائقہ کو کڑوا بناتا ہے" —— اور "سچائی در پردہ جھوٹ پھیلاتی ہے" ——

مولانا مودودی کی تفسیر و ترجمانی "تفہیم القرآن" کے نام سے اُن کے مجلہ شہریہ (ترجمان القرآن) میں تقسیم ہند سے بھی کئی سال قبل سے شائع ہو رہی ہے، ترجمان القرآن اکابر علماء اور صف اول کے ارباب فکر کی نگاہوں سے گذرتا رہا ہے —— علامہ سید سلیمان ندوی، علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ عبداللہ العمادی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا عبدالسلام ندوی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، حضرت مولانا محمد زکریا (شیخ الحدیث مظاہر العلوم) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا قاری محمد طیب اور بہت سے دوسرے اکابر علماء میں کسی نے مولانا مودودی کی تفسیر (تفہیم القرآن) پر "تحریف قرآن" کا الزام نہیں لگایا، حیرت ہے کہ جن بزرگ کے نام کے ساتھ "شیخ القرآن" لکھا جاتا ہے اور وہ خود بھی علوم قرآنی میں خود کو "شیخ الوقت" سمجھتے ہیں، اُنہوں نے ایسی بے پر کی اُڑائی ہے کہ جسے سُن کر اور پڑھ کر خود اُن کی "قرآن فہمی" پر حرف آتا ہے، کسی کی مخالفت اور دشمنی میں اس قدر غیر ذمہ دار اور بے پروا ہو جانا بڑے آدمیوں کو کسی طرح زیب نہیں دیتا ——

مولانا غلام اللہ خاں صاحب ایسی غلط بات کہ کر ممکن ہے اپنے متوسلین اور معتقدین سے داد حاصل کر سکیں مگر وہ ساری دنیا کی آنکھوں میں خاک نہیں جھونک سکتے، تفہیم القرآن کو ہزاروں نے نہیں لاکھوں آدمیوں نے پڑھا ہے، ان پڑھنے

والوں میں سینکڑوں علماء دین اور اہل فکر بھی شامل ہیں مگر یہ بات کسی کو نہیں کھٹکی کہ مولانا مودودی قرآن کریم میں (معاذ اللہ) تحریف کا کارنامہ انجام دے رہے ہیں!

مولانا مودودی فرشتہ نہیں ہیں، انسان ہیں اُن کے قلم سے بھول چوک بھی ہوئی ہے بعض اہل علم کے توجہ دلانے پر اُنہوں نے اپنی لکھی ہوئی عبارتوں کو بدل بھی دیا ہے مگر بھول چوک اور غلطی کو "تحریف" کہنا سراسر ظلم و زیادتی اور ناانصافی ہے! "تفہیم القرآن" میں مولانا مودودی نے انتہائی حزم و احتیاط کو ملحوظ رکھا ہے، بعض پچھلے مفسرین کے تسامحات اور اسرائیلی روایات کی خرابیوں کی ہوا بھی نہیں لگنے دی، "تفہیم القرآن" اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تفسیر و ترجمانی کا علمی شاہکار ہے، کتنے بہت سے مقامات پر مولانا مودودی کی قرآنی فکر اور نکتہ سنجی پر روح وجد کرنے لگتی ہے، قرآن کی حقانیت پر مولانا موصوف نے کیسی کیسی حکیمانہ مگر عام فہم اور دل نشین دلیلیں دی ہیں اور کتنے حسین و جاذب نظر انداز میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات کو حق اور مطابق فطرت ثابت کیا ہے! اُن کی تفسیر کو پڑھ کر اللہ، رسول، آخرت اور اسلام کے بارے میں دل کو یقین و اطمینان حاصل ہوتا ہے، تجدد و مغرب زدگی اور آزادیٔ خیال کے پیدا کئے ہوئے کتنے بہت سے شکوک و شبہات اور غلط فہمیاں ہیں جن کو مودودی صاحب نے "تفہیم القرآن" میں دُور کیا ہے، اُن کی قوتِ استدلال کے آگے متجددین اور منکرین کی دلیلیں پانی کے بلبلے ثابت ہوتی ہیں، جس شخص کے قلم نے دین و قرآن کی خدمت کا اتنا عظیم کارنامہ انجام دیا ہو اُس کو "محرفِ قرآن" ٹھیرانا کس قدر سنگدلی اور افتراء پردازی ہے:

ملائکہ، اجنہ، شیطان، آخرت، جنت و دوزخ، معراج، قبر و برزخ، نفخ صور، حشر و نشر، شفاعت وغیرہ مسائل میں مولانا مودودی کا مسلک وہی ہے جو اسلاف کا مسلک ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی معراج ماننے اور اس واقعہ کی احادیث کو نقل کرنے کی پاداش میں منکرین حدیث نے مولانا موصوف پر "ماڈرن ملا" کی پھبتی چست کی ہے! فقہ، حدیث اور قرآن کے بارے میں سرسید احمد خاں، عنایت اللہ خاں مشرقی اور بعض علماء مصر نے جس تجدد و آزاد خیالی کا مظاہرہ کیا ہے، مولانا مودودی کا یہ موقف اور مسلک ہرگز نہیں ہے اور غلام احمد پرویز کے ضلالت آمیز افکار اور مولانا مودودی کے حق پسندانہ خیالات میں تو بعد المشرقین ہے!

مولانا مودودی نے متجددین اور مغرب زدہ اہل فکر کے علی الرغم تعدد ازدواج کی حمایت اور دور ایوب کے بنائے ہوئے عائلی قوانین کی مخالفت کی ہے، خاندانی منصوبہ بندی، بنک کا سود، تصویر، مخلوط تعلیم، عورتوں کی بے پردگی اس قسم کے تمام مسائل میں مولانا مودودی کا وہی مسلک ہے جو علماء حق کا ہے اگر وہ دینی مسائل میں آزاد خیال اور متجدد ہوتے اور "اباحیت" کی طرف اُن کا میلان ہوتا تو مذکورہ بالا مسائل میں وہ بھی تجدد زدہ گروہ کے ہمنوا ہوتے! ان مسائل میں مولانا مودودی کا جو حق پسندانہ موقف ہے وہ یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ مولانا موصوف کا مزاج، طبیعت، زاویہ نگاہ اور سوچنے کا انداز خالص دینی ہے۔

جناب "فتح القرآن" کو مولانا مودودی کے ہر کام میں جو "نیا انداز" نظر آتا ہے تو وہ نیا انداز خطاب و استدلال کا نیا انداز ہے جو دور حاضر کی نفسیات پر اثر انداز ہوتا ہے، مثلاً مولانا مودودی نے اُن بیشتر مقامات اور خطوں کا دورہ اور مشاہدہ کیا ہے جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے، انہوں نے "تفہیم القرآن" میں جغرافیہ کے چارٹ اور نقشے پیش کئے ہیں اور اس طرح "ارض القرآن" کو انہوں نے قرطاس پر منقش کر دیا ہے مولانا کی یہ کوشش اگر کوئی چاہے تو اسے ندرت

اور حماقت بھی کہہ سکتا ہے۔ اُن ذہنوں اور دماغوں کو "نئی" لگتی ہے، جو درسِ نظامی تک میں ترمیم و اضافہ کو گوارا نہیں کر سکتے اور اور اسلاف کی عقیدت نے جن کو غلو میں مبتلا کر دیا ہے! علامہ شبلی نعمانی جن کے قلم نے سیرت و تاریخ اور علم و ادب کی خدمت کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے، اُن تک کے علمی کارناموں کو ان "حضرات" نے نہیں سراہا!

تفسیر کے چند نمونے :- قرآن کریم کی اس آیت :-

"حفظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ الوسطیٰ" (البقرہ)

میں "صلوٰۃ الوسطیٰ" سے مفسرین نے "نمازِ عصر" مراد لی ہے مگر مولانا مودودی نے "صلوٰۃ الوسطیٰ" کی یوں تفسیر کی ہے :-

"اصل میں لفظ "صلوٰۃ وسطیٰ" استعمال ہوا ہے اس سے مراد بعض مفسرین نے صبح کی نماز لی ہے بعض نے ظہر بعض نے مغرب، بعض نے عشاء لیکن ان میں سے کوئی قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے صرف اہل تاویل کا استنباط ہے۔ سب سے زیادہ اقوال نمازِ عصر کے حق میں ہیں اور کہا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی نماز کو صلوٰۃ وسطیٰ قرار دیا ہے لیکن جس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ جنگ احزاب کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے حملے نے اس درجہ مشغول رکھا کہ سورج ڈوبنے کو آ گیا اور آپ نمازِ عصر نہ پڑھ سکے اُس وقت آپ نے فرمایا "خدا ان لوگوں کی قبریں اور اُن کے گھر آگ سے بھر دے، انھوں نے ہماری صلوٰۃ وسطیٰ فوت کرا دی" اس سے یہ سمجھا گیا کہ آپ نے نمازِ عصر کو صلوٰۃ وسطیٰ فرمایا ہے حالانکہ اس کا یہ مطلب ہمارے نزدیک زیادہ قرینِ صواب ہے کہ اس مشغولیت نے اعلیٰ درجہ کی نماز ہم سے فوت کرا دی، نا وقت پڑھنی پڑے گی، جلد جلد ادا کرنی ہوگی، خشوع و خضوع اور اطمینان و سکون کے ساتھ نہ پڑھ سکیں گے۔

"وسطیٰ" کے معنی بیچ والی چیز کے بھی ہیں، اور ایسی چیز کے بھی جو اعلیٰ اور اشرف ہو، صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد بیچ والی نماز بھی ہو سکتی ہے اور ایسی نماز بھی جو صحیح وقت پر پورے خشوع اور توجہ الی اللہ کے ساتھ پڑھی جائے جس میں نماز کی تمام خوبیاں موجود ہوں، بعد کا فقرہ اللہ کے آگے فرماں بردار بندوں کی طرح کھڑے ہو خود اس کی تفسیر کر رہا ہے"

الاعراف میں حضرت آدم علیہ السلام کو شیطان کے فریب دینے کا جو ذکر آیا ہے اُن آیات کی تشریح کا ایک اقتباس "تفہیم القرآن" (حصہ دوم) سے یہاں نقل کیا جاتا ہے :-

"عام طور پر جو یہ مشہور ہو گیا ہے کہ شیطان نے پہلے حضرت حوا کو دامِ فریب میں گرفتار کیا اور پھر انہیں حضرت آدم کو پھانسنے کے لیے آلۂ کار بنایا قرآن اس کی تردید کرتا ہے اس کا بیان یہ ہے کہ شیطان نے دونوں کو دھوکا دیا، اور دونوں اس سے دھوکا کھا گئے بظاہر یہ بہت چھوٹی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن جن لوگوں کو معلوم ہے کہ حضرت حوا کے متعلق اس مشہور روایت نے دنیا میں عورت کے اخلاقی قانونی اور معاشرتی مرتبے کو گرانے میں کتنا زبردست حصہ لیا ہے، وہی قرآن کے اس بیان کی حقیقی قدر و قیمت سمجھ سکتے ہیں"

قرآنِ کریم میں "یوم الحج الاکبر" (التوبہ) آیا ہے، اُس کی بنا پر مسلمانوں میں یہ بات خاصی شہرت پا گئی ہے کہ جمعہ کے دن جو حج ہوتا

ہے وہ "حج اکبر" ہوتا ہے، مولانا مودودی نے اس آیت کی شرح و تفسیر میں لکھا ہے :-

"یعنی ۱۰ ذی الحجہ جسے یوم النحر کہتے ہیں، حدیث صحیح میں آیا ہے کہ حجۃ الوداع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے حاضرین سے پوچھا یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا "یوم النحر" ہے فرمایا "ھذا یوم الحج الاکبر" یہ حج کا بڑا دن ہے عموماً لوگ غلطی سے یوم الحج الاکبر کے معنی "حج اکبر کا دن" سمجھتے ہیں اور پھر اس کے لئے خواہ مخواہ یہ ایک مسئلہ بن جاتا ہے کہ حج اکبر سے مراد کون سا حج ہے حالانکہ اسلام میں "حج اکبر" کی کوئی اصطلاح سرے سے ہے ہی نہیں ہے"

(تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۱۷۵)

"یوسف و زلیخا" کے قصہ کے سلسلہ میں مفسرین نے اسرائیلیات پر اعتماد کرتے ہوئے کیسی کیسی عجیب باتیں بیان کی ہیں، مولانا مودودی نے "تفہیم القرآن" میں مفسرین کے ان تسامحات کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"تلمود میں اس عورت کا نام زلیخا (ZELICHA) لکھا ہے اور یہیں سے یہ نام مسلمانوں کی روایات میں مشہور ہوا مگر یہ جو ہمارے ہاں عام شہرت ہے کہ بعد میں اس عورت سے حضرت یوسف کا نکاح ہوا اس کی کوئی اصل نہیں ہے نہ قرآن میں نہ اسرائیلی تاریخ میں، حقیقت یہ ہے ایک ایک نبی کے مرتبے سے یہ بات بہت فروتر ہے کہ وہ کسی ایسی عورت سے نکاح کرے جس کی بدچلنی کا اس کو ذاتی تجربہ ہو چکا ہو۔" (تفہیم القرآن جلد دوم۔ صفحہ ۴۱۱)

"ورفع ابویہ علی العرش وخروا لہ سجدا" (سورۂ یوسف) میں "سجدہ" سے عام طور پر "سجدہ تعظیمی" مراد لیا گیا ہے اور اس کے بارے میں علماء نے کہا ہے کہ پچھلی امتوں کے لئے سجدۂ تعظیمی مباح تھا مگر امت محمدیہ کے لئے جائز نہیں ہے، مولانا مودودی نے اس غلط فہمی کو اپنی تفسیر میں دور کیا ہے :-

"اس لفظ "سجدہ" سے بکثرت لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے حتیٰ کہ ایک گروہ نے تو استدلال کرکے بادشاہوں اور پیروں کے لئے سجدۂ تعظیمی کا جواز نکال لیا دوسرے لوگوں کو اس قباحت سے بچنے کے لئے اس کی یہ توجیہ کرنی پڑی کہ اگلی شریعتوں میں صرف سجدۂ عبادت غیر اللہ کے لئے حرام تھا، باقی رہا وہ سجدہ جو عبادت کے جذبہ سے خالی ہو تو وہ خدا کے سوا دوسروں کو بھی کیا جا سکتا تھا، البتہ شریعتِ محمدی میں ہر قسم کا سجدہ غیر اللہ کے لئے حرام کر دیا گیا لیکن ساری غلط فہمیاں اس وجہ سے پیدا ہوئی ہیں کہ لفظ "سجدہ" کو موجودہ زمانہ کی اسلامی اصطلاح کا ہم معنیٰ سمجھ لیا گیا، یعنی ہاتھ، گھٹنے اور پیشانی زمین پر ٹکانا، حالانکہ سجدہ کے اصل معنیٰ محض جھکنے کے ہیں اور یہیں یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ قدیم تہذیب میں یہ عام طریقہ تھا (اور آج بھی بعض ملکوں میں اس کا رواج ہے) کہ کسی کا شکریہ ادا کرنے کے لئے سینے پر ہاتھ رکھ کر کسی حد تک آگے کی طرف جھکتے تھے، اس جھکاؤ کے لئے عربی میں سجود اور انگریزی میں BOW کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں، بائبل میں اس کی بکثرت مثالیں ہم کو ملتی ہیں کہ قدیم زمانے میں یہ طریقہ آداب تہذیب میں شامل تھا چنانچہ

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے متعلق ایک جگہ لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے خیمہ کی طرف تین
آدمیوں کو آتے دیکھا تو وہ ان کے استقبال کے لئے دوڑے اور زمین تک جھکے، عربی بائبل
میں اس موقع پر جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں ــــــ **فلما نظر رکض
لاستقبالهم من باب الخيمه وسجد الى الارض** (تکوین: ۱۸-۲) پھر جس
موقع پر یہ ذکر آتا ہے کہ بنی حت نے حضرت سارہ کے دفن کے لئے قبر کی زمین مفت دی وہاں
اُردو بائبل کے الفاظ یہ ہیں "ابرہام نے اُٹھ کر ان سے یوں گفتگو کی" ــــ اور جہاں
لوگوں نے قبر کی زمین نہیں ایک پورا کھیت پیش کر دیا تب "ابرہام اُس ملک کے لوگوں
کے سامنے جھکا"، مگر عربی ترجمہ میں ان دونوں مواقع پر آداب بجا لانے اور جھکنے کے لئے
"سجدہ کرنے" ہی کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ **فقام ابراهيم وسجد لشعب الارض**
یعنی حت (تکوین: ۲۳-۷) **فسجد ابراهيم شعب الارض** (۲۳-۱۲)

انگریزی بائبل میں ان مواقع پر جو الفاظ آئے ہیں، وہ یہ ہیں:-

Bowed himself towards the ground. Bowed himself to the people of the land Abraham bowed down himself before the people of the land.

اس مضمون کی مثالیں بڑی کثرت سے بائبل میں ملتی ہیں اور ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس
سجدے کا مفہوم ہے ہی نہیں جو اب اسلامی اصطلاح کے لفظ "سجدہ" سے سمجھا جاتا ہے۔

جن لوگوں نے معاملہ کی اس حقیقت کو جانے بغیر اس کی تاویل میں سرسری طور پر یہ لکھ
دیا ہے کہ اگلی شریعتوں میں تعظیمی سجدہ کرنا یا سجدۂ تحیتہ بجا لانا جائز تھا، انہوں نے محض
ایک بے اصل بات کہی ہے اگر سجدے سے مراد وہ چیز ہے جسے اسلامی اصطلاح میں سجدہ
کہا جاتا ہے تو وہ خدا کی بھیجی ہوئی شریعت میں کبھی کسی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں رہا ہے!
بائبل میں ذکر آتا ہے کہ بابل کی اسیری کے زمانے میں جب اخسویرس بادشاہ نے ہامان کو
اپنا امیر الامرا بنایا اور حکم دیا کہ سب لوگ سجدہ تعظیمی بجا لایا کریں تو مردکی نے جو بنی اسرائیل
کے اولیاء میں سے تھے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ ۔ ۔ "

● **یوم تبدل الارض غیر الارض والسموت** ۔ ۔ ۔ (ابراہیم)

"اس آیت سے اور قرآن کے دوسرے اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں زمین و
آسمان بالکل نیست و نابود نہیں ہو جائیں گے بلکہ صرف موجودہ نظام طبعی درہم برہم
کر ڈالا جائے گا، اس کے بعد نفخ صور اول اور نفخ صور آخر کے درمیان ایک خاص مدت
میں جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے زمین اور آسمانوں کی موجودہ ہیئت بدل دی جائے گی۔

اور ایک دوسرا نظامِ طبیعت اور دوسرے قوانینِ فطرت کے ساتھ بنا دیا جائے گا وہی عالمِ آخرت ہوگا، پھر نفخِ صورِ آخر کے ساتھ ہی تمام انسان جو تخلیقِ آدم سے لے کر قیامت تک پیدا ہوئے تھے از سرِ نو زندہ کئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے اسی کا نام قرآن کی زبان میں حشر ہے، جس کے لغوی معنی سمیٹنے اور اکٹھا کرنے کے ہیں، قرآن کے اشارات اور حدیث کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ حشر اسی زمین پر برپا ہوگا، یہیں عدالت قائم ہوگی، یہیں میزان لگائی جائے گی، اور قضیۂ زمین برسرِ زمین ہی چکایا جائے گا، نیز یہ بھی قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ ہماری دوسری زندگی جس میں یہ معاملات پیش آئیں گے، محض روحانی نہیں ہوگی، بلکہ ٹھیک اُسی طرح جسم و روح کے ساتھ ہم زندہ کئے جائیں گے، جس طرح آج زندہ ہیں اور ہر شخص ٹھیک اُسی شخصیت کے ساتھ وہاں موجود ہوگا، جسے لئے ہوئے وہ دنیا سے رخصت ہوا تھا۔"

(تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۲۹۳)

مولانا مودودی کا یہی وہ اندازِ تفسیر، قرآن فہمی، تحقیق و تدبر اور اسلوبِ فکر ہے جو مولانا غلام اللہ خاں صاحب جیسے مولوی صاحبان کو "نیا انداز" نظر آتا ہے اور شاید اسی "اندازِ جدید" پر وہ "تحریفِ قرآن" کی پھبتی چست فرمانے میں کوئی باک اور کسی قسم کی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے!

قرآن کریم کے لفظ "شکر" اور "شاکر" کی تفسیر مولانا مودودی کے عنبر بار خامہ سے سنئے اور وجد کیجئے:

● "ایک محسن کے مقابلہ میں صحیح احسان مندی کا رویہ یہی ہو سکتا ہے کہ آدمی دل سے اس کے احسان کا اعتراف کرے، زبان سے اس کا اقرار کرے اور عمل سے احسان مندی کا ثبوت دے انہی تینوں چیزوں کے مجموعہ کا نام شکر ہے اور اس شکر کا مقتضا یہ ہے کہ اولاً آدمی احسان کو اسی کی طرف منسوب کرے جس نے دراصل احسان کیا ہے کسی دوسرے کو احسان کے شکریہ اور نعمت کے اعتراف میں اس کا حصہ دار نہ بنائے ثانیاً آدمی کا دل اپنے محسن کے لئے محبت اور وفاداری کے جذبہ سے لبریز ہو اور اس کے مخالفوں سے محبت و اخلاص اور وفاداری کا ذرہ برابر تعلق نہ رکھے ثالثاً وہ اپنے محسن کا مطیع و فرمانبردار ہو اور اس کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کے منشاء کے خلاف استعمال نہ کرے۔"

● "اصل میں لفظ "شاکر" استعمال ہوا ہے جس کا ترجمہ ہم نے "قدردان" کیا ہے، شکر جب اللہ کی طرف سے بندے کی جانب ہو تو اس کے معنی اعترافِ خدمت یا قدردانی کے ہوں گے اور جب وہ بندے کی طرف سے اللہ کی جانب ہو تو اس کو اعترافِ نعمت یا احسان مندی کے معنی میں لیا جائے گا، اللہ کی طرف سے بندوں کا شکریہ ادا کئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ناقدرشناس نہیں ہے جتنی بھی جیسی خدمات بھی بندے اس کی راہ میں بجا لائیں، اللہ کے ہاں اُن کی قدر کی جاتی ہے کسی کی خدمات صلہ و انعام سے محروم نہیں رہتیں بلکہ وہ نہایت فیاضی کے ساتھ ہر شخص کو اس کی خدمت سے زیادہ صلہ دیتا ہے بندوں کا حال تو یہ ہے کہ جو کچھ آدمی نے کیا ہے اس کی قدر کم کرتے

ہیں اور جو کچھ نہ کیا اس پر گرفت کرنے میں بڑی سختی دکھاتے ہیں، لیکن اللہ کا حال یہ ہے کہ جو کچھ آدمی نے نہیں کیا ہے، اُس پر محاسبہ کرنے میں وہ بہت نرمی اور چشم پوشی سے کام لیتا ہے اور جو کچھ کیا ہے اس کی قدر اُس کے مرتبہ سے بڑھ کر کرتا ہے"

(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ ۱۲ام - ۱۳ام)

ایسے مقامات جن سے تعلق باللہ محکم تر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی عظمت دلوں میں جاگزیں ہوتی ہے، جن سے خیر و تقویٰ کا جذبہ اُبھرتا ہے اور جن کے مطالعہ سے اطمینان و یقین اور اخلاص کی کیفیت پیدا ہوتی ہے ——— "تفہیم القرآن" میں جا بجا ملیں گے!

غلط الزامات

"شیخ القرآن" صاحب نے ایک ہی سانس میں مولانا مودودی پر کئی الزامات لگائے ہیں ان میں سے ایک الزام انبیاء کرام کی توہین کا بھی ہے" "تحریف قرآن" کے الزام کی طرح یہ الزام بھی بے بنیاد اور معترض کے جذبہ تعصب و عداوت کا مظہر ہے۔

مولانا مودودی کی تمام کتابیں پڑھ جائیے اُن میں انبیاء کرام کی توہین کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا "تفہیم القرآن" کی جلد اول ہی کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مولانا مودودی انبیاء کا انتہائی احترام کرتے ہیں:—

- ان (انبیاء کرام) کی مخالفت کفر ہے۔
- اسلام تمام انبیاء کا دین تھا۔
- دعوت حق کے لئے انبیا کی جدوجہد
- ان کے لئے گوناگوں مراتب
- انبیاء کی طاعت کے ساتھ، انبیاء و رسل کی اطاعت کا مطالبہ
- یہ سب اذن الٰہی سے "مطاع" بن کر آئے
- ان (نبیوں) کی بعثت بندوں پر اتمام حجت ہے۔
- ان کے طریقے سے ہٹ کر چلنا ضلالت ہے۔
- یہ سب کے سب صالح تھے۔
- اللہ نے ان کو دنیا پر فضیلت دی!

تفہیم القرآن جلد اول (صفحہ ۶۱۹ - ۶۲۰) میں یہ عنوانات پڑھ کر اُن کی تفسیر ملاحظہ کیجئے اور سوچئے کہ جو مفسر انبیاء کرام کو "مطاع" سمجھتا ہو اور جن کے طریقہ سے ہٹ کر چلنا اس کے نزدیک ضلالت ہو ——— کیا وہ انبیاء کرام کی اہانت کا جو کھلا ہوا کفر ہے مرتکب ہو سکتا ہے۔

ہاں! قرآن میں انبیاء کرام کے بعض تسامحات پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت ہوئی ہے اُن کی تفسیر میں ہر مفسر نے کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور کہی ہے جس میں مدح و منقبت کا پہلو نہیں نکلتا۔ شیعہ مفسرین جو اماموں تک کو "معصوم" سمجھتے ہیں وہ ایسے موقعوں پر "ترک اولیٰ" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں کسی مفسر نے یہ لکھا ہے کہ نبی سے اندازے میں غلطی ہو سکتی ہے، کوئی اس کو "خطائے اجتہادی" کہتا ہے! اور کسی نے اسے "زلت" (لغزش) بھی لکھا ہے۔

قرآن کریم میں بہرحال انبیاء کرام کے بعض افعال پر جو گرفت کی گئی ہے اُس میں خوشنودی کا نہیں عتاب کا پہلو پایا جاتا ہے اور یہ احتساب و گرفت قادح نبوت نہیں ہے، قرآن کریم میں انبیاء کرام کے ان تسامحات کے ذکر سے انبیاء کرام کی جب اہانت نہیں ہوتی تو ان کی تفسیر سے ان نفوس قدسیہ کی اہانت کس طرح ہو سکتی ہے! انبیاء کرام کے اس قسم کے واقعات کے ذکر سے سب سے زیادہ بلیغ حکمت تو یہ سمجھ میں آتی ہے کہ انبیاء کی الوہیت کی اس طرح نفی اور اُن کی بشریت کی تصدیق ہوتی ہے ایسی کامل تنزیہ جہاں ذرہ برابر تسامح اور سہو و نسیان کا امکان ہی نہ ہو، یہ اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے، انبیاء کرام اس اعتبار سے معصوم ہیں کہ ان سے ہوائے نفس کے تحت کوئی اخلاقی غلطی سرزد نہیں ہوتی اُن کے دل اور نگاہ نے اخلاقی چوری نہیں کی (علیہم السلام) ہاں! دین ہی کی خیر خواہی کے سلسلہ میں اُن سے ترک اولیٰ، عجلت اور اضطراب واقع ہوا ہے! ہم سراپا معصیت و خطا، دن رات میں نہ جانے کتنی بار ہم سے غلطیاں ہی نہیں طرح طرح کے گناہ سرزد ہوتے ہیں، ضمیر کبھی ہماری غلطیوں پر ٹوکتا بھی ہے تو ہم میں کتنے ہیں جو ضمیر کی آواز پر کان دھرتے ہیں، ہمیں انبیاء کرام سے کیا نسبت ــــــ چہ نسبت خاک را با عالم پاک! انبیاء کرام سے کبھی کبھار کوئی تسامح ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر فوراً احتساب فرماتا ہے اور توبہ و استغفار کے بعد معاملہ درست ہو جاتا ہے!

حضرت سیدنا یونس علیہ السلام پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت ہوئی تھی اس کی تفسیر میں مولانا مودودی نے لکھا ہے:ــــــ

"تاہم قرآن کے اشارات اور صحیفہ یونس کی تفصیلات پر غور کرنے سے اتنی بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ حضرت یونس سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں"

غالباً یہی عبارت مولانا غلام اللہ خاں صاحب اور اُن کے ہم مسلک دوسرے حضرات کی شدید برہمی کا سبب بن گئی ہے! حضرت یونس علیہ السلام نے ظاہر ہے کہ معاذ اللہ، کسی بداخلاقی کا ارتکاب نہیں کیا، مگر آپ سے جو بھی تسامح یا کوتاہی ہوئی، وہ اتنی شدید تھی کہ اُس کے لیے اللہ تعالیٰ نے "مُلیم" کا عتاب آمیز لفظ حضرت یونس علیہ السلام کے واسطے استعمال فرمایا، یہی لفظ (مُلیم) قرآن کریم میں (بلا تشبیہ) ایک اور جگہ بھی (فرعون کے لئے) آیا ہے۔ مگر اس سے خدانخواستہ یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ فرعون کے کفر اور حضرت یونس کی کوتاہی میں کوئی فرق نہ تھا، فرعون سراپا کفر و معصیت تھا اُس کی توبہ بھی قبول نہیں ہوئی کفر پر ہی اُس کی موت واقع ہوئی، حضرت یونس علیہ السلام ایمان و تقویٰ کے پیکر اور اللہ تعالیٰ کے نبی اور معصوم نبی تھے اُن کی کوتاہی پر اللہ تعالیٰ نے گرفت کی اور توبہ و استغفار کے بعد معاملہ درست ہو گیا۔

مولانا مودودی کی عبارت پر کوئی یوں اعتراض کرے کہ "حضرت یونس سے کوتاہی ہوئی" لکھنا کافی تھا "فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہیاں ہوئیں" اس کے لکھنے کی ضرورت نہ تھی کیوں کہ قرآن کریم نے واضح طور پر "کوتاہی" کی صراحت نہیں کی ــــــ تو یہ اعتراض نیک نیتی کا اعتراض ہوگا! مگر مولانا مودودی کی اس عبارت پر یہ فتویٰ لگا دینا سراسر زیادتی ہے کہ صاحب موصوف انبیاء کی توہین کیا کرتے ہیں! مولانا نے یہ بات کیوں لکھی ہے اس کی تصریح بھی انہوں نے کر دی ہے، پھر بھی کسی کا ضمیر اور وجدان مولانا کی تفسیر سے مطمئن نہ ہو تو وہ ان سے اختلاف بھی کر سکتا ہے!

حضرت مولانا حسین احمد مدنی مرحوم کے مکتوبات میں یہ عبارت ملتی ہے:ــــ

"حضرت موسیٰ علیہ السلام نے الواح کو پٹک دیا، فالقی الالواح (سورۂ اعراف) کتاب اللہ کو

پھینکنا اور پھر وہ کتاب اللہ جو خود کو دی گئی کوئی شبہ نہیں کس قدر بڑا گناہ ہے۔۔۔۔
اگر معصوم غلط فہمی میں مبتلا ہو کر بڑے بڑے امور کا مرتکب ہو سکتا ہے تو غیر معصوم خواہ وہ کتنا ہی بڑی منقبت والا کیوں نہ ہو کیوں نہیں ہو سکتا۔

(مکتوب شیخ الاسلام (مولانا مدنی) جلد اول صفحہ ۲۵۹ - مکتوب ۸۸)

اس مکتوب کا انداز بیان محل اعتراض ہو سکتا ہے کہ الفاظ میں صاحب مکتوب نے احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھا مگر ان پر "توہین انبیاء" کا الزام نہیں لگایا جا سکتا کہ مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کی تقریر و تحریر سے انبیاء کرام کی عظمت، محبت اور عقیدت کا اظہار ہوتا ہے ــــــ ایک بزرگ کی وفات پر قصیدے کا یہ انداز ــــــ

"اٹھا دنیا سے جیسے بانیٔ اسلام کا ثانی"

ناپسندیدہ ہے، اس میں عقیدت کا غلو پایا جاتا ہے مگر قصیدہ نگار چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی پر ناز کرتے تھے اور کسی کو حضور کا ہمسر اور ہم رتبہ نہیں سمجھتے تھے لہٰذا اس قصیدہ کو ان کا "تسامح" کہا جائے گا! مولانا مودودی صاحب کی بھی کوئی عبارت کھٹکتی ہے تو اس کو ان کا تسامح اور الفاظ کی بے احتیاطی کہہ لیجیے مگر ان پر توہین انبیاء کی تہمت جوڑ کر ناانصافی کا ارتکاب نہ کیجیے! اور مسلمانوں میں انہیں بدنام اور رسوا کرنے کا الزام اپنے سر نہ لیجیے، اور آخرت کے مواخذہ سے ڈریئے!

مولانا مودودی نے تو اپنی تفسیر میں انبیاء کرام کی عظمت و عقیدت اور مدافعت میں یہ رنگ اختیار کیا ہے ــــ

"یہ شبہ نہ کیا جائے کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو جنت سے اترجانے کا یہ حکم سزا کے طور پر دیا گیا تھا، قرآن میں متعدد مقامات پر اس کی تصریح کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور انہیں معاف کر دیا لہٰذا اس حکم میں سزا کا کوئی پہلو نہیں ہے، بلکہ یہ اس منشار کی تکمیل ہے جس کے لئے انسان پیدا ہوا۔"

وہ جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو روکنے کے لئے اس کے سامان میں پیالہ رکھوا دیا تھا، اس واقعہ کی توجیہ و تاویل میں مولانا مودودی لکھتے ہیں:ــــ

"احتیاط ملاحظہ ہو "چور" نہیں کہتے، بلکہ صرف یہ کہتے ہیں کہ جس کے پاس ہم نے اپنا مال پایا ہے، اسی کو اصطلاح شرع میں "توریہ" کہتے ہیں۔۔۔۔ جب کسی مظلوم کو ظالم سے بچانے یا کسی بڑے مظلمہ کو دفع کرنے کی کوئی صورت اس کے سوا نہ ہو کہ کچھ خلاف واقعہ بات کہی جائے یا کوئی خلاف حقیقت حیلہ کیا جائے تو ایسی صورت میں ایک پرہیزگار آدمی صریح جھوٹ بولنے سے احتراز کرتے ہوئے ایسی بات کہنے یا ایسی تدبیر کرنے کی کوشش کرے گا جس سے حقیقت کو چھپا کر بدی کو دفع کیا جا سکے، ایسا کرنا شریع اخلاق میں جائز ہے۔۔۔۔ دیکھیے اس سارے معاملہ میں حضرت یوسفؑ نے کس طرح جائز توریہ کی شرائط پوری کی ہیں بھائی کی رضامندی سے اس کے سامان میں پیالہ رکھا مگر ملازموں سے یہ نہیں کہا کہ اس پر چوری کا الزام لگاؤ، پھر جب سرکاری ملازم چوری کے الزام میں ان لوگوں کو پکڑ کر لائے تو خاموشی کے ساتھ اٹھ کر تلاشی لی پھر اب جو ان بھائیوں نے کہا کہ بن یمین کی جگہ ہم میں سے کسی کو

رکھ لیجئے تو اس کے جواب میں انہی کی بات اُن پر اُلٹ دی کہ تمہارا اپنا فتویٰ یہ تھا کہ جس کے سامان میں سے مال نکلے وہی رکھ لیا جائے، سو اب تمہارے سامنے بن یمین کے سامان میں ہمارا مال نکلا ہے اور اُسی کو ہم رکھ لیتے ہیں، دوسرے کو اُس کی جگہ کیسے رکھ سکتے ہیں، اس قسم کے توریہ کی مثالیں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں بھی ملتی ہیں اور کسی دلیل سے بھی اس کو اخلاقاً معیوب نہیں کہا جا سکتا۔"

● ——— ولقد همت به وهم بها لولا ان رأ برهان ربه

اس آیت کا ترجمہ حضرت شیخ الہند نے یوں کیا ہے :-

"اور البتہ عورت نے فکر کیا اُس کا اور اُس نے فکر کیا عورت کا اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھے قدرت اپنے رب کی۔"

مولانا مودودی نے اس آیت کی ترجمانی میں یہ انداز اختیار کیا ہے :-

"وہ اس کی طرف بڑھی اور یوسف بھی اُس کی طرف بڑھتا اگر اپنے رب کی طرف سے برہان نہ دیکھ لیتا"

پھر اُس کی تفسیر یوں کی ہے :-

"یہی وہ برہانِ حق تھی جس نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو اس نوخیز جوانی کے عالم میں ایسے موقع پر معصیت سے باز رکھا، پھر یہ جو فرمایا کہ "یوسف بھی اُس کی طرف بڑھتا اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتا" تو اس سے عصمتِ انبیاء کی حقیقت پر بھی پوری طرح روشنی پڑ جاتی ہے، نبی کی معصومیت کے یہ معنیٰ نہیں اس سے گناہ اور لغزش وخطا کی قوت واستعداد سلب کر لی گئی ہے حتیٰ کہ گناہ کا صدور اس کے امکان ہی میں نہیں رہا ہے بلکہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ نبی اگرچہ گناہ کرنے پر قادر ہوتا ہے لیکن بشریت کی تمام صفات سے متصف ہونے کے باوجود اور جملہ انسانی جذبات احساسات اور خواہشات رکھتے ہوئے وہ ایسا نیک نفس اور خدا ترس ہوتا ہے کہ جان بوجھ کر گناہ کا قصد نہیں کرتا وہ اپنے ضمیر میں اپنے رب کی ایسی ایسی زبردست حجتیں اور دلیلیں رکھتا ہے جن کے مقابلہ میں خواہش نفس کبھی کامیاب نہیں ہونے پاتی، اور اگر نادانستہ اس سے کوئی لغزش سرزد ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ فوراً وحی جلی کے ذریعہ سے اس کی اصلاح فرما دیتا ہے کیونکہ اُس کی لغزش تنہا ایک شخص کی لغزش نہیں ایک پوری امت کی لغزش ہے وہ راہِ راست سے بال برابر ہٹ جائے تو دنیا گمراہی میں میلوں نکل جائے۔"

انبیاء کرام کے اتنے مخلص عقیدت مند اور مداح اور ان نفوس قدسیہ کی عصمت وعظمت کی تائید و مدافعت میں ایسی ایسی یقین افروز دلیلیں لانے والے پر جو کوئی توہین انبیاء کی تہمت لگاتا ہے وہ کتنی جھوٹ بات کہتا ہے!

تحریف قرآن اور توہین انبیاء کے بے بنیاد الزامات کی طرح یہ الزام بھی غلط ہے کہ مولانا مودودی صحابہ کرام کی تنقیص کرتے ہیں" مولانا مودودی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اُمت مسلمہ کے بہترین اور صالح ترین افراد سمجھتے ہیں جن کا اجماع ان کے نزدیک دینی حجت ہے مولانا موصوف کی کتابوں میں صحابہ کرام کا ذکر احترام وعقیدت کیساتھ کیا گیا ہے! جو بدبخت

صحابہ کرام پر سب و شتم کرتے ہیں اُن کے بارے میں مولانا نے لکھا ہے کہ مجھے تو ان کے ایمان ہی میں شک ہے ! اب رہا حضرت علی اور امیر معاویہؓ (رضی اللہ عنہما) کے مابین نزاع کا معاملہ تو جمہور اُمت کا یہ فیصلہ ہے کہ حضرت علی حق پر تھے ! ہدایہ جو فقہ حنفی کی معروف و مستند کتاب ہے اُس میں امیر معاویہؓ کو "سلطان جائر" کہا گیا ہے اور ایسا کہہ دینے کے سبب صاحب ہدایہ پر کسی نے بھی تنقیص صحابہ کا الزام نہیں لگایا !

ماہنامہ "البلاغ" کی تنقید کے جواب میں ملک غلام علی صاحب کے مضامین 'ترجمان القرآن' میں آرہے ہیں' انہوں نے صورتِ حال کو واضح تر کر دیا ہے' مولانا مودودی نے جو کچھ لکھا ہے اُس سے زیادہ شدت کے ساتھ دوسرے اکابر و مشاہیر نے نقد و جرح کی ہے' حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے اضطرابات کا ذکر بھی ثقہ علماء اور اہل فکر کے یہاں ملتا ہے ! یہ کتنی زیادتی اور ناانصافی کی بات ہے کہ ان تمام علماء و صلحاء اور اہل تاریخ و سیر کو چھوڑ کر مولانا مودودی کو ہدف طعن و ملامت بنایا جاتا ہے !

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کتنے جلیل القدر صحابی ہیں' اُن کے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کرنے پر کوئی ان لفظوں میں تنقید کرے ! —

"حضرت سعد بن عبادہ کے اس فعل میں اُن کی شخصیت کی نمود اور نفس شامل تھا"

تو اس "واقعی تنقید" کو "توہینِ صحابہ" نہیں کہا جا سکتا ! ! یہ بات سو فیصدی درست ہے کہ خلیفہ راشد سے نزاع کر کے امیر معاویہؓ نے اسلام میں شخصی امارت و ملوکیت کی بنا ڈال دی اور تمام نیک نیتی کے باوجود حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایسے اضطرابات رونما ہوئے جن کے باعث شیخین کے دورِ خلافت کے مقابلہ میں حکومت کے کل پرزوں میں ڈھیل پیدا ہو گئی اور اس کا اثر مستقبل پر بھی پڑا —— ان حقائق و واقعات کے ذکر سے "توہینِ صحابہ" کی نسبت تہمت و الزام تراشی ہے !

یہ الزام بھی بے بنیاد ہے کہ مولانا مودودی اسلاف کی تنقیص کرتے ہیں اور اُن سے مسلمانوں کو کاٹ دینا چاہتے ہیں' مولانا موصوف نے اپنی کتابوں میں ائمہ فقہ و حدیث اور مفسرین کے اقوال سند کے طور پر پیش کئے ہیں اور احترام کے ساتھ ان حضرات کا ذکر کیا ہے ! مگر وہ اسلاف کو معصوم نہیں سمجھتے' جس طرح دوسرے اخلاف نے اسلاف کے تسامحات پر گرفت کی ہے' مولانا نے بھی ایسا کیا ہے !

مولانا مودودی نے حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی جس انداز میں تصویب و تحسین کی ہے وہ اسلاف سے اُن کی عقیدت کا واضح ثبوت ہے !

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول "الایمان لا یزید ولا ینقص" پر خاصی تنقید و جرح کی گئی ہے مگر مولانا مودودی' امام اعظم کے موقف و مسلک کی مدافعت کرتے ہیں ! —

"اگرچہ ابتداءً آدمی صرف کلمہ اسلام قبول کر لینے سے مومن و مسلم ہو جاتا ہے لیکن یہ کوئی ساکن و جامد حالت نہیں ہے جو بس ایک ہی مقام پر ٹھیری رہتی ہو بلکہ اس میں تنزل کی موجب ہوتی ہے یہاں تک کہ ایک شخص پیچھے ہٹتے ہٹتے ایمان کی آخری سرحد تک پہونچ جاتا ہے' جہاں سے ایک سر مو بھی تجاوز کر جائے تو مومن کے بجائے منافق ہو جائے اس کے برعکس خلوص جتنا زیادہ ہو اطاعت جتنی مکمل ہو

اور دین حق کی سربلندی کے لئے لگن اور دھن جتنی بڑھتی چلی جائے ایمان اسی نسبت سے بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ آدمی صدیقیت کے مقام تک پہونچ جاتا ہے لیکن یہ کمی و بیشی جو کچھ ہے اخلاقی مراتب میں ہے جس کا حساب اللہ کے سوا کوئی نہیں لگا سکتا بندوں کے لئے ایمان بس ایک ہی اقرار و تصدیق ہے جس سے ہر مسلمان داخل اسلام ہوتا ہے اور جب تک اس پر قائم رہے مسلمان مانا جاتا ہے اس کے متعلق ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ آدھا مسلمان ہے اور یہ پاؤ اور یہ دوگنا مسلمان ہے اور یہ تین گنا! اسی طرح قانونی حقوق میں سب مسلمان یکساں ہیں، یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی کو ہم زیادہ مومن کہیں اور اس کے حقوق زیادہ ہوں اور کسی کو کم مومن قرار دیں اور اس کے حقوق کم ہوں۔ ان اعتبارات سے ایمان کی کمی و بیشی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا اور دراصل اسی معنی میں امام ابوحنیفہؒ نے یہ فرمایا ـــــ

"الایمان لایزید ولا ینقص" ایمان کم و بیش نہیں ہوتا۔"

(تفہیم القرآن جلد دوم ص۸۳)

یہ انداز فکر اسلاف سے کاٹنے کا ہے یا جوڑنے کا ہے، اس مزاج کا مصنف اسلاف کا قدر شناس اور مداح ہے یا ان کا نکتہ چیں ہے! مگر مولانا مودودی نبی اور رسول کی طرح اکابر دین کو "معصوم" نہیں سمجھتے، تحریر و نگارش میں انہوں نے بعض اکابر کے تسامحات کی نشاندہی بھی کی ہے!

غلطی اور تسامح

ائمہ فقہ و حدیث ہوں، مفسرین و متکلمین اور مورخین و صوفیا ہوں، ان میں کون غلطی سے محفوظ ہے، جس نے بھی کوئی کتاب لکھی ہے اس کا قلم جادۂ اعتدال سے ادھر ادھر بھی ہو گیا ہے، حضرت سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام جمہور امت کے نزدیک "ذبیح" ہیں مگر ایک دو مورخین نے حضرت سیدنا اسحٰق علیہ السلام کو "ذبیح" قرار دیا ہے، اس تسامح پر "یہود نوازی" کی پھبتی ان حضرات پر نہیں کسی جا سکتی! کسی فقیہ بزرگ نے "منی آرڈر" کو "سود" ٹھیرا دیا یہ ان کی غلطی ہے، مگر اس غلطی پر ان بزرگ پر یہ فتویٰ صادر نہیں کیا جا سکتا کہ یہ حضرت دین میں حلت و حرمت کو مجروح کرنے کا فرض انجام دیتے تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ عالم ہیں صوفی ہیں بہت بڑے شاعر ہیں مگر انہوں نے "یوسف و زلیخا" میں اسرائیلی روایات کو بے تکلف نظم کا حسین لباس پہنا دیا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ کے نبی حضرت یوسفؑ کی شب زفاف کے واقعات اپنی مثنوی میں نظم کر دئے ہیں، یہ ان کی شاعرانہ شوخیاں ہیں جن کی مدح نہیں کی جا سکتی، مگر ان شاعرانہ شوخیوں کے سبب مولانا جامی پر انبیاء کی اہانت و تنقیص کا الزام کسی نے نہیں لگایا! جلال الدین سیوطیؒ کی کتابوں میں کیسی کیسی غلط روایتیں ملتی ہیں ان کو لوگ "حاطب اللیل" تو ضرور کہتے ہیں مگر یہ کوئی نہیں کہتا کہ علامہ سیوطی نے دین میں تحریف کی ہے!

اکابر دیوبند کی کتابوں میں بھی غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ مگر مجموعی طور پر اکابر دیوبند نے دین کی خدمت اور خیر خواہی کا فرض انجام دیا ہے اس لئے ان بزرگوں کے "تسامحات" اور غلطیوں پر "دین کی حقیقت مسخ کرنے" کا الزام لگانے کی جو کوئی جرأت کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دہ ہوگا!

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا قلم بھی غلطیوں اور کوتاہیوں سے محفوظ نہیں رہ سکا، مگر انہوں نے ایسی غلطیاں نہیں کیں جن پر "تحریف دین"، "دین کی حقیقت ختم کرنے" اور "اسلام کا جدید ایڈیشن تصنیف کرنے کی" تہمتیں لگائی جائیں!

مجموعی طور پر مولانا کی تصانیف نے دین کی قابل قدر و ستائش خدمت انجام دی ہے، حق پسند علماء کو مولانا مودودی کی دینی اور علمی خدمات کی قدر کرنی چاہیئے!

جماعت اسلامی کے دینی کارنامے

جماعتِ اسلامی اپنی تشکیل کے آغاز ہی سے اقامتِ دین کا کام انجام دے رہی ہے، اس کے متفقین دنیا کے جس ملک اور خطہ میں بھی پائے جاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ کر رہے ہیں اور اپنا وقت اور روپیہ اس نیک کام میں صرف کرتے ہیں، جماعت سے جو لوگ قریب ہوئے ہیں وہ دین سے دور نہیں ہوتے بلکہ دین سے اُن کو قربت و نزدیکی حاصل ہوتی ہے اُن کی سیرتوں اور زندگیوں میں اخلاقی انقلاب رونما ہوا ہے، جماعت کا لٹریچر پڑھ کر نئی نسل نے اسلام کی حقیقت اور دین کی عظمت کو پہچانا ہے!

جماعتِ اسلامی کے ارکان اپنی استطاعت کی حد تک حلال ذرائع سے روزی کمانے کی فکر کرتے ہیں جماعت کا کوئی رکن کسی بنک اور انشورنس کمپنی سے ملازمت کا تعلق نہیں رکھتا، کتنے ہی خدا کے نیک بندوں نے جماعت میں آنے کے بعد آمدنی کے مشتبہ ذرائع سے محروم ہونا گوارا کیا ہے! بعض کمیونسٹ' دہریئے، دین کے معاملہ میں آزاد خیال اور بے پروا اور رفض و بدعت کے مارے ہوئے جماعت میں آکر صحیح العقیدہ اور صحیح العمل بن گئے ہیں، بعض اونچے درجہ کے ایسے وکلاء پاکستان میں موجود ہیں، جن کا عدالتی مقدمات کی پیروی اور مشورت کے سلسلہ میں جماعتِ اسلامی کے ارکان سے ملنا جلنا رہا ہے اور ان کے افکار و کردار میں دینی انقلاب پیدا ہو گیا ہے!

پاکستان میں جماعتِ اسلامی شروع ہی سے اسلامی نظام برپا کرنے کے لیے جدوجہد کر رہی ہے، کتاب و سنت کی اساس پر پاکستان کے دستور کی تشکیل کے لیے جماعتِ اسلامی نے منظم طور پر سعی بلیغ کی ہے اُس نے مطالبہ و احتجاج کے عنوان سے بڑے بڑے جلوس بھی نکالے ہیں اُس کے کارکنوں نے شہروں میں مظاہرے بھی کئے ہیں مگر انتہائی نظم و ضبط کے ساتھ! کسی قسم کی ذرہ برابر کوئی چھیڑ چھاڑ اور بے عنوانی نہیں، یہاں تک کہ کوئی ایسا نعرہ تک نہیں لگایا گیا جسے "بازاری" کہا جا سکے! شرافت و قانون کی حدود میں رہ کر احتجاج اور اپنے جذبات کا مظاہرہ! جماعتِ اسلامی نے اپنے مخالفین پر کوئی تہمت نہیں جوڑی کسی کے خلاف بدزبانی نہیں کی!

عائلی قوانین ہوں، خاندانی منصوبہ بندی ہو، مخلوطِ تعلیم ہو، قادیانیت اور انکارِ حدیث کا فتنہ ہو غرض ہر موقعہ پر جماعتِ اسلامی نے حق کے اعلان اور باطل کی تردید کا فرض انجام دیا ہے! ایوب خاں صاحب کے دور میں جب اُن کی کتاب (FRIENDS NOT MASTESS) شائع ہوئی تو اُس وقت ان کے خلاف لب کشائی کی کس میں ہمت تھی مگر یہ شرف مولانا مودودی کے رسالہ "ترجمان القرآن" کو حاصل ہے کہ اس کتاب کا عدل و انصاف کے حدود میں رہ کر پوری بے باکی اور جرأت ایمانی کے ساتھ پوسٹ مارٹم کیا گیا اور جناب ایوب خاں نے جو اپنے کارنامے بیان کئے تھے وہ اُن کے "جرائم" ثابت کر دئے، یعنی اس نقد و تبصرے کی بدولت صیاد خود اپنے دام میں پھنس کر رہ گیا۔

جماعتِ اسلامی کے "شعبہ خدمتِ خلق" سے لاکھوں مریض، ہزاروں محتاج، ضرورت مند اور غیر مستطیع طلباء، فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جہاں تک "امانت" کی صفت کا تعلق ہے جماعتِ اسلامی اس صفت میں اپنی آپ مثال ہے، کفایت شعاری اور بیت المال کی ذمہ داری کا یہ عالم کہ جماعت اسلامی اپنے سالانہ اجتماعات وغیرہ پر جتنی رقم خرچ کرتی ہے، اس سے چوگنی رقم صرف کر کے بھی دوسری پارٹیاں اس قدر سلیقہ اور اہتمام کے ساتھ کانفرنس نہیں کر سکتیں۔ زیادہ سے زیادہ اخراجات کے مقابلے

میں جماعتِ اسلامی کم سے کم خرچ کرتی ہے۔ اُس کے اجتماعات اور کانفرنسوں کی نمائشیں، اسلامی آرٹ اور دینی ثقافت کا بہترین مظہر ہوتی ہیں! جماعتِ اسلامی کے سالانہ اجتماعات میں ہزاروں آدمیوں کو باجماعت نماز پڑھتے دیکھا گیا ہے تارکِ صلوٰۃ کو جماعت کے دفتر میں چپراسی کی نوکری بھی نہیں مل سکتی!

اسمبلیوں کے انتخابات میں افراد اور جماعتوں کے کردار کا پوری طرح مظاہرہ ہوتا ہے کس کس جعل و فریب کے ساتھ ووٹ حاصل کئے جاتے ہیں، مگر کوئی شخص نہیں بتا سکتا کہ جماعتِ اسلامی نے ووٹ کی خاطر کسی قسم کی اخلاقی بے عنوانی کا ارتکاب کیا ہو اگر جماعت کے کسی کارکن کے بارے میں اس قسم کی کوئی اطلاع ملی ہے تو اس پر شدید احتساب کیا گیا ہے اس طرح جماعت اسلامی نے بدنام سیاست کی تطہیر کا کارنامہ انجام دیا ہے۔

ہندوستان سے جنگ کے دوران جماعت اسلامی نے ملک کی تمام پارٹیوں سے بڑھ چڑھ کر حکومت پاکستان کی امداد کی، اُس کے ارکان نے راتوں کو جاگ کر ریلوے لائنوں کی حفاظت کے لئے پہرہ دیا ہے، شہریوں کی ہمت بندھائی ہے اور اُن کی حفاظت کے لئے بعض مقامات پر گشت کیا ہے۔

جماعتِ اسلامی پر بڑے سخت اور نازک وقت آئے ہیں، کتنی بار اُسے خلاف قانون اور "کالعدم" قرار دیا گیا ہے، اُس کی املاک، رقوم اور دفتری سامان ضبط کیا گیا ہے، مگر جس دن جماعتِ اسلامی بحال ہوئی ہے اُسی دن سے پہلے کے مقابلہ میں اور زیادہ مستعدی کے ساتھ کام کا آغاز ہوا ہے!

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

کی معنوی کیفیت کا مشاہدہ!

جماعتِ اسلامی کے بہت سے ارکان نے بارہا قید و بند کی صعوبتیں اُٹھائی ہیں اور حق گوئی کے جرم میں مالی نقصانات برداشت کئے ہیں مگر کوئی خوف اور لالچ ان کے کردار میں لچک پیدا نہیں کرسکا، اُن کی زندگیاں ایثار و قربانی اور اخلاص و صداقت کی اچھی مثالیں ہیں، امیر جماعت ——— مولانا مودودی کی عزیمت کا تو یہ عالم ہے کہ پھانسی کی سزا سُن کر اُن کے ماتھے پر شکن تک نہیں آئی!

جماعتِ اسلامی فرشتوں کی نہیں انسانوں کی جماعت ہے اور انسانوں سے غلطیاں بھی سرزد ہو جاتی ہیں ——— مگر بشری کمزوریوں اور کوتاہیوں کے باوجود جماعتِ اسلامی کے وجود سے مجموعی طور پر خیر پھیل رہا ہے! ملک میں وہ اسلام کی علامت و برہان سمجھی جاتی ہے لاکھوں نوجوان طلبا جماعت کے لٹریچر اور اُس کے ارکان کی زندگیوں سے متاثر ہو کر دین سے قریب آئے ہیں ——— اگر جماعت کے بارے میں یہ تاثر دیا جائے کہ یہ جماعت تو تحریفِ قرآن کا کام کر رہی ہے اور اُس کے پیشِ نظر اسلام کا نیا ایڈیشن تیار کرنا ہے اور اُس نے اسلام کی حقیقت کو ختم کر کے رکھ دیا ہے ——— اس تاثر کے بعد خود اسلام کے بارے میں نئی نسل مشتبہ ہو جائے گی! اور ملت کا، اسلام کا اور خود پاکستان کا یہ کتنا بڑا نقصان ہوگا:

پاکستان میں جماعتِ اسلامی کا اب یہ موقف ہے کہ اُس کو کمزور کر دینے سے دین کا محاذ کمزور ہو جائے گا، جو کوئی بھی جماعتِ اسلامی کے درپے آزار ہے وہ پاکستان میں اپنے اس موقف سے دینی محاذ کو نقصان پہنچاتا ہے!

سوشلسٹ ہوں یا قادیانی، منکرین سنت ہوں یا مغرب زدہ گروہ ان سب کی مخالفتوں کا ہدف جماعتِ اسلامی ہی بنی

ہوتی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جماعت اسلامی کا وجود کفر و باطل اور گمراہ کن نظریات کے ہر سیلاب کے لئے روک بنا ہوا ہے، جماعت کو ختم کرنے کے بعد (خاک بہ دہن دشمناں) پاکستان میں کفر و باطل کے داخلہ کے لئے راستہ صاف ہو جائے گا! سوشلزم کے خلاف جدوجہد میں جماعتِ اسلامی ہی کے ارکان اور متفقین کا خون بہا ہے اور اللہ کی راہ میں شہادت کی سعادت اسی حق پسند جماعت کو میسر آئی ہے۔

ہم نے صورتِ حال کا جائزہ لے کر اتمامِ حجت کا حق ادا کر دیا ہے، اور پورے اخلاص کے ساتھ ایک ایک غلط فہمی کے ازالہ کی کوشش کی ہے۔ اس کے بعد بھی جماعتِ اسلامی کی دشمنی میں اُسے مسلمانوں میں رسوا اور بے آبرو کرنے کا جذبہ سرد ہونے کی بجائے اور گرم اور تند و تیز ہو جائے ——— تو ایسے لوگ آخرت میں اپنی جواب دہی اور معذرت کے لئے بندوبست کر لیں مگر اس کا خیال رہے کہ ملت کے اجتماعی مفاد کے نقصان کی تلافی زہد و تقویٰ کی بڑی سے بڑی مقدار سے بھی شاید نہ ہو سکے!

ماہر القادری

۲۲ رمئی ۷۰ء
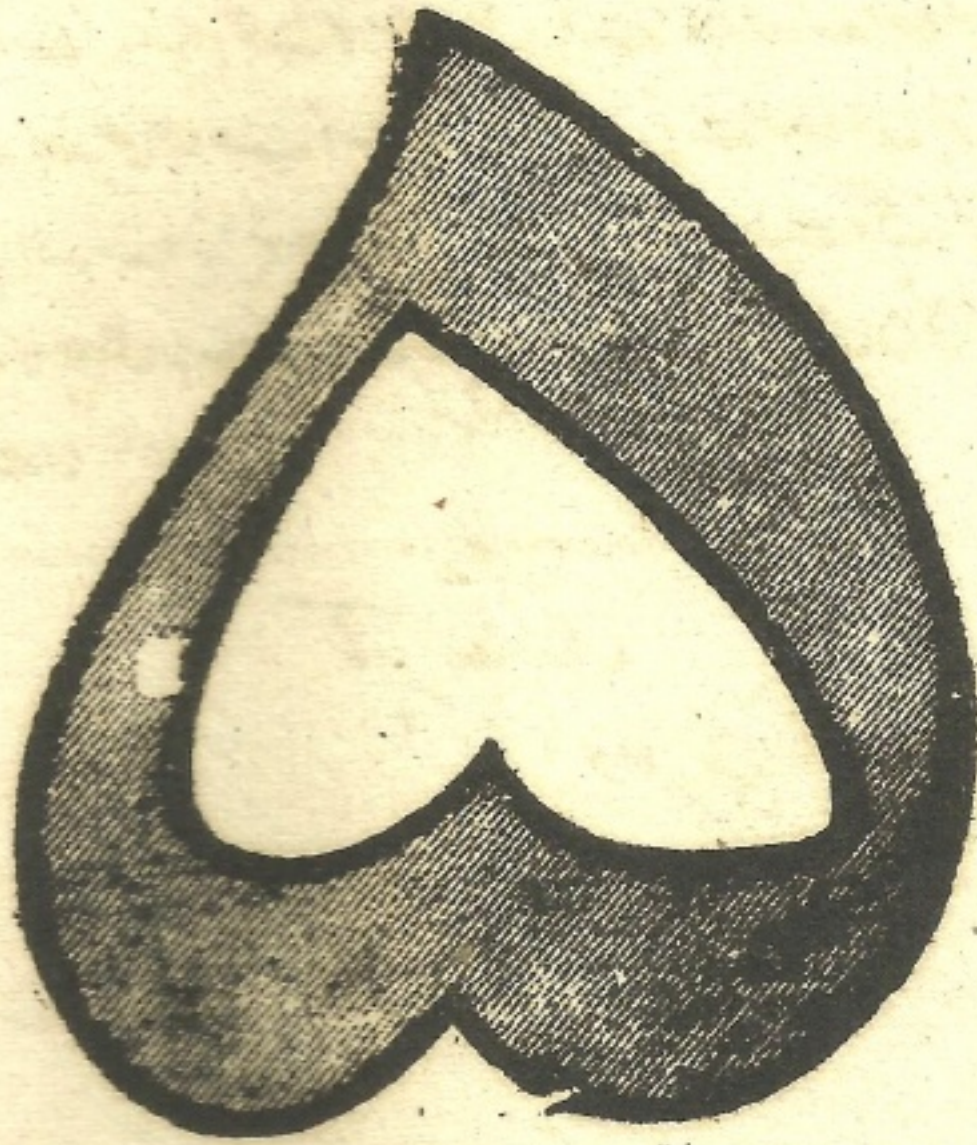
۵
آزمودہ دواؤں کا مرکب
انلجین
سر درد - کمر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے
یقینی زود اثر اور بے ضرر علاج ہے
Opel
51/63
Spotit

حبیب احمد صدیقی ایم۔ اے

تصوف کے مختلف نظریے

عنوانِ بالا سے میرا ایک مضمون "فاران" کے دسمبر ۱۹۶۹ء اور جنوری و فروری ۱۹۷۰ء کے شماروں میں شائع ہوا تھا۔ اس کے جواب میں جناب بابا ذہین شاہ تاجی نے ماہنامہ "تاج" بابت ماہ مارچ ۱۹۷۰ء میں اظہارِ خیال فرمایا ہے۔ میرا مضمون چالیس صفحوں پر مشتمل تھا جس کے ابتدائی بائیس صفحے جناب تاجی کی نظر سے نہیں گزرے۔

بہت عرصہ ہوا میں نے ہندوستان کے مشہور مورخ ڈاکٹر تاراچند کی مشہور تصنیف "اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر" (INFLUENCE OF ISLSLAM AN INDIAN CULTURE) پڑھی تھی اس میں لائق مصنف نے اسلام کو سراہتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ ہندو مذہب اسلام سے بہت متاثر ہوا اور اس کے کئی فرقوں نے اسلامی عقائد کو زیادہ سے زیادہ قبول کر کے اسلام کے ہم رنگ بننے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر تاراچند کے خیال میں — صوفیائے کرام نے اسلام کی ترویج اور ہندوؤں کے اخلاقی اور معاشرتی نظریوں کو بدلنے میں بہت بڑا حصہ لیا اس سلسلہ میں انہوں نے تصوف کا جائزہ لیا اور اس کی خصوصیات بیان کیں۔ ان کی رائے ہیں:—

"تصوف ایک پیچیدہ چیز ہے اس کی مثال اُس دریا کی سی ہے جس میں مختلف ملکوں کی چھوٹی چھوٹی ندیاں آکر ملتی ہیں اور اسے ایک بڑا دریا بناتی ہیں اس کا اصل سرچشمہ قرآن اور پیغمبرِ اسلامؐ کی زندگی ہے۔ مسیحیت اور نو افلاطونیت کے دھارے اس میں آکر ملے اور اس کا حجم بڑھتا گیا۔ ہندومت اور بدھ ازم نے اس کو کئی نئے خیالات دئے اور قدیم ایرانی مذاہب جیسے زردشت اور مانی کے مذاہب وغیرہ نے بھی اُسے اپنا اپنا حصہ دیا۔"

تصوف کے بارے میں یہ رائے کہ وہ خالص اسلامی چیز نہیں ہے بلکہ اسلام اس دریا کا صرف سرچشمہ ہے جس میں مسیحیت نو افلاطونیت کے علاوہ ہندوازم۔ بدھ ازم اور زردشت اور مانی وغیرہ نے اپنا اپنا حصہ دے کر اس کو بڑا دریا بنایا ہے اسے قبول کرنے کو میرا دل آمادہ نہ ہوتا۔ ایک طرف یہ خیال آتا ہے کہ ڈاکٹر تاراچند ایسے محقق کے قلم سے جو اسلام سے حسن ظن بھی رکھتے ہیں کوئی ایسی بات ضبط تحریر میں آنا ممکن نہیں جس کی کچھ بنیاد نہ ہو تو دوسری طرف دل میں یہ بات بھی

کھٹک تھی کہ کیا حضرت عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت امام غزالیؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ اور بہت سے اکابر صوفیاء اس ملغوبہ کو جس میں اتنے غیر اسلامی عناصر شامل ہوں برضا و رغبت قبول کر سکتے تھے۔ اس ذہنی کشمکش نے مجھے آمادہ کیا کہ میں خود صوفیائے کرام کے خیالات سے آگاہی حاصل کروں۔ اس کا موقع ملازمت سے ریٹائر ہونے سے پہلے نہ ملا۔ بالآخر کافی کتابیں پڑھنے کے بعد میں نے وہ مضمون لکھا جو "فاران" میں شائع ہوا اس بات کا اظہار میں نے اپنے مضمون میں ان الفاظ میں کر دیا تھا۔

"ڈاکٹر تارا چند نے جو کچھ تصوف کے بارے میں لکھا ہے اس کی تحقیق و تفتیش سے یہ واضح ہوا کہ انہوں نے وہی نظریے پیش کئے ہیں جو حضرات صوفیا کے عقائد و اقوال پر مبنی ہیں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ یہ حضرات صوفیہ کے سب گروہوں کی نمائندگی نہیں ہے۔ حضرات صوفیا کا اختلاف ایک ایسی حقیقت ہے جو تصوف سے دلچسپی رکھنے والوں سے، خواہ ان کی دلچسپی علمی ہو یا عملی پوشیدہ نہیں، میں نے جب ڈاکٹر تارا چند کی کتاب پڑھی تھی۔ تو اس میں جو تصوف کی تصویر نظر آئی تھی وہ میرے لئے خوش آئند نہ تھی اس وقت تک تصوف کے بارے میں میرا علم نہایت سرسری تھا۔ اس کے بعد میں نے تصوف پر متعدد کتابوں کا مطالعہ کیا جس سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر تارا چند کی پیش کردہ تصویر دراصل مکمل تصویر نہیں بلکہ تصویر کا ایک رخ ہے"

(۱) "محبت اس کا (تصوف کا) ولولہ ہے۔ شعر و موسیقی اور رقص اس کی عبادت ہے اور عالم محسوسات سے گزر کر خدا سے جا ملنا اس کی منزلِ مقصود ہے"

——— اور ———

(۲) محمدؐ نے یہ تعلیم دی کہ بندہ کو چاہئے کہ وہ پورے طور پر اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دے (اسلام) تصوف کی تعلیم یہ ہے کہ مرید اپنے آپ کو مرشد کے سپرد کر دے جو زمین پر خدا کا مظہر ہے"

بڑے چبھتے ہوئے جملے تھے اور جو کچھ انہوں نے مجاہدوں، ریاضتوں اور چلوں وغیرہ کے بارے میں کہا تھا وہ بھی دل میں خلش پیدا کرتا تھا۔ مثلاً:—

۱۔ "ذکر کی دو قسمیں ہیں، ذکرِ جلی اور ذکرِ خفی۔ مالکم اور براؤن نے ان اعمال کی تفصیل بیان کی ہے یہ ہندوستانی یوگ کے دھیان۔ سانس روکنے کی مشق (پرانیام) سے بہت مشابہ ہیں۔۔۔ نقش بندی فرقہ میں مرید اپنی آنکھ بند کرتا ہے، منہ پر ہاتھ رکھتا ہے، زبان کو اپنے تالو میں لگاتا ہے، سانس کو روکتا ہے اور اپنے دل میں ذکر کرتا ہے "لا" اوپر کو جاتا ہے "الہ" داہنی طرف کو اور "الا اللہ" دل کے گوشے پر اور وہاں سے سارے جسم کے تمام اعضاء کو پہونچتا ہے سانس نیچے ناف سے اٹھتی ہے اور سینے پر جاتی ہے سینے سے دماغ کو اور دماغ سے آسمان کی طرف اور پھر درجہ بدرجہ واپس آتی ہے اور پھر جاتی ہے"

۲۔ "صوفی کو معلوم ہوتا ہے کہ غیریت ایک فریب نظر ہے اس لئے مخلوق اور اعمالِ صالح کے ثمرات سے لگاؤ بے سود ہے۔۔۔ اُسے روح کو اعلیٰ اور سب سے اونچی منزل تک پہونچانا چاہئے یعنی

الوہیت (حقیقت) سے کامل اتحاد۔ انسان کی ساری ہستی کی کایا پلٹ، ارادہ، ذہن اور جذبات کا انقلاب، اتحاد و ہم آہنگی کی حالت میں صوفی نفس سے گزر جاتا ہے (فنا) اور خدا کے ساتھ حقیقی اتحاد کی حالت میں رہتا ہے (بقا) خارجیت اور داخلیت کا فریب ختم ہو جاتا ہے، شخصیت کا احساس فنا ہو جاتا ہے اور شرع اور مذہب بے معنی ہو جاتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ہم آہنگی کی حالت میں وہ خدا کے ساتھ ایک ہو جاتا ہے اور منصور کے ساتھ "میں خدا ہوں" انا الحق کا نعرہ لگاتا ہے۔

۳۔ "ابن عربی (متوفی ۱۲۴۱ء) صوفی فلسفہ میں سب سے بڑی سند ہیں ان کے نزدیک انسان اور فطرت دو ایسے آئینے ہیں جن میں خود خدا ظاہر ہوتا۔ ۔ ۔ انسان خدا کا پیکر ہے اور خدا انسان کی روح ہے۔ ۔ ۔ جب وہ خدا کا تصور کرتا ہے تو وہ خود اپنا تصور کرتا ہے اور خدا جب اپنا تصور کرتا ہے تو وہ انسان کا تصور کرتا ہے۔ ۔ ۔ اس وحدت وجود کا عملی پہلو یہ ہے کہ خدا کی پرستش بے شمار طریقوں سے ہو سکتی ہے اور یہ کہ تمام مذاہب میں صداقت ہے اس لئے اگر تمام اشیاء ملکوتی جوہر کی مظہر ہیں تو خدا کو ایک ستارے میں یا ایک پتھر میں یا کسی اور چیز میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ۔ ۔ اس کا (ہر شخص کا) خدا اس کی تخلیق ہے۔"

میں نے ڈاکٹر تارا چند کے خیالات کا حضراتِ صوفیہ کے اقوال کو سامنے رکھ کر تفصیلی جائزہ لیا تو ان کی تائید میں بھی اقوال ملے اور ان کی تردید میں بھی۔ اسی لئے میں نے عرض کیا تھا کہ تصوف کی جو تصویر ڈاکٹر تارا چند نے پیش کی ہے وہ تصویر کا ایک رخ ہے ڈاکٹر تارا چند کے اس بیان کی تائید میں تصوف کی تعلیم ہے کہ مرید اپنے آپ کو مرشد کے سپرد کر دے میں نے حضرت بندہ نواز گیسو دراز کا قول "جواہر العشاق" سے نقل کیا تھا جس کا اردو ترجمہ جناب قاضی احمد عبدالصمد فاروقی نے کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

"سالک کو خدا پرست نہ ہونا چاہئے بلکہ پیر پرست ہونا چاہئے۔ ۔ ۔ ۔ جب تک کوئی پیر پرست نہ ہو جائے خدا پرست کیسے ہو سکتا ہے۔ شاید وہ مرید اسی مقام کا ہوگا جو بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا نام لینے سے دریا پر چلتا تھا اور اللہ کا نام لینے سے دریا میں ڈوب رہا تھا۔ ۔ ۔ "

اس کے خلاف میں نے شاہ ولی اللہ کی تصنیف "البلاغ المبین" میں سے پیر پرستی کی مذمت میں جو انہوں نے فرمایا ہے وہ بھی نقل کر دیا تھا۔

"جماعتِ پیر پرست اس جماعت کے رد میں بے شمار آیاتِ الٰہی اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کیا ان مشرک لوگوں نے خدا کے سوا دوسروں کو معبود قرار دے رکھا ہے جو ان کی سفارش کریں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگرچہ یہ کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں۔ ۔ ۔ جن غائب ارواح اور پوشیدہ اجسام کی دنیا میں پرستش ہو رہی ہے اور ان سے حاجت روائی کے لئے دعائیں کی جاتی ہیں وہ ارواح و اجسام دعائیں مانگنے والوں کی دعاؤں سے بھی غافل اور بے خبر ہیں۔ خواہ وہ انبیا علیہم السلام کے ارواح و اجسام ہوں یا اولیاء کرام رحمہم اللہ علیہم اجمعین کے۔"

۔ "البلاغ المبین" میں صفحہ ۳۲۔۳۳ پر شاہ ولی اللہؒ نے پیروں کے سلسلہ میں کلام پاک کی ایک آیت درج کر کے جو اظہار خیال کیا تھا میں نے نقل کر دیا تھا۔

"ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو اپنا پروردگار بنا لیا اور مریم کے بیٹے مسیح کو بھی۔ حالانکہ ان کو جو حکم دیا گیا تھا وہ اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک خدا کی بندگی کریں کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی۔ وہ اس شرک سے پاک ہے جو وہ اس کی ذات و صفات میں ٹھیرا رہے ہیں

...... یہی حال ان لوگوں کا ہے جو اس زمانہ میں کہتے ہیں کہ پیر صاحب کے ہر حکم کی اطاعت فرض ہے خواہ وہ حکم شریعت کے مخالف ہی کیوں نہ ہو اور اس کی تائید میں حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے مجازی شعر کو حقیقت مان کر بطور سند پیش کرتے ہیں ؎

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزل ہا

...ان اقتباسات کو نقل کرنے سے پہلے میں نے شاہ ولی اللہ کی بھی وہ روایت درج کر دی تھی جس میں حضرت نصیر الدین رح کا سماع کے معاملے میں اپنے مرشد سے اختلاف بیان کیا گیا تھا۔ یہاں میں وہ روایت شاہ صاحب کے الفاظ ہی میں نقل کرتا ہوں۔

"اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ کے بعض مریدوں نے دف کے ساتھ گانا شروع کیا تو حضرت شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ مجلس سے اٹھ کر چلے گئے دوستوں نے بٹھانا چاہا مگر نہ بیٹھے اور فرمایا یہ کام سنت کے خلاف ہے دوستوں نے کہا کہ آپ سماع کے منکر ہیں حالانکہ آپ کے پیر و مرشد اس کے جواز کے قائل تھے۔ آپ نے فرمایا مشائخ کا کوئی فعل شرعی حجت نہیں ہے۔ لکھا ہے کہ اس بات کا ذکر حضرت شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ہوا تو حضرت شیخ نے فرمایا نصیر الدین نے سچ کہا ہے"

البلاغ المبین ص۵-۱۵۷

اور ان کی رائیں نقل کرنے کے بعد میں نے اتنا اپنی طرف سے عرض کر دیا تھا کہ "بزرگوں کے یہ اقوال ہر چند اتباع سنت کو اطاعت مرشد پر ترجیح دیتے ہیں مگر عمل اس کے خلاف ہے اور حافظ شیرازی کا مندرجہ بالا شعر ہی اس معاملہ میں اصول بن گیا ہے۔ حضرت نصیر الدینؒ ایسے مرید جو اپنے مرشد سے سماع کے معاملے میں اختلاف کر سکیں اور حضرت نظام الدین اولیاء ایسے مرشد جو برا نہ مانیں بلکہ مرید کو حق بجانب ٹھیرائیں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔"

جناب تاجی نے میرے اس جملے پر فرمایا ہے کہ اس کی صداقت بزرگوں کے اقوال سے ٹکراتی ہے اور چونکہ وہ جھوٹے نہیں ہو سکتے اس لئے میں جھوٹا ہوں اگر ان کے سامنے میرے مضمون کے ابتدائی بائیس صفحات ہوتے جن میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے یہ الفاظ نقل کئے گئے تھے کہ "یہی حال ان لوگوں کا ہے جو اس زمانے میں کہتے ہیں کہ پیر صاحب کے ہر حکم کی اطاعت فرض ہے خواہ وہ حکم شریعت کے مخالف ہی کیوں نہ ہو" تو ان پر عیاں ہو جاتا ہے کہ میں نے قریب قریب وہی بات کہی ہے جو شاہ صاحب نے فرمائی تھی رہی یہ بات کہ کسی بڑے صوفی نے مرشد کی اطاعت کو ایسا ہی ضروری سمجھا ہے یا نہیں جیسا کہ ڈاکٹر تاراچند نے لکھا ہے تو حضرت بندہ نواز نے یہاں تک فرما دیا کہ سالک کو خدا پرست نہ ہونا چاہئے بلکہ پیر پرست ہونا چاہئے اور یہ کہ حضرت بایزید کا مرید اُن کا نام لے کر تو دریا پر چل سکتا تھا لیکن جب مرشد کے نام کی بجائے اُس نے اللہ کا نام لیا تو ڈوبنے لگا۔

جناب ذہین شاہ تاجی نے اس واقعہ کے ذکر کو بھی ناپسند فرمایا ہے جو حضرت نصیر الدینؒ اور حضرت نظام الدینؒ کے سماع کے بارے میں اختلاف ظاہر کرتا ہے۔ جناب تاجی کے خیال میں ایسا کوئی اختلاف نہیں تھا۔ یہ روایت میری گھڑی ہوئی

نہیں ہے اس کی ذمہ داری ایک بہت بڑے صوفی حضرت شاہ ولی اللہؒ پر ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تصنیف "ہمعات" سے بھی میں نے کچھ اقتباسات نقل کئے تھے میں نے یہ واضح طور پہ بتا دیا تھا کہ میں نے پروفیسر محمد سرور کے ترجمہ سے عبارتیں لی ہیں۔ اس کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے کہ "جس شخص نے سب سے پہلے جذب کا دروازہ کھولا اور اس پر وہ سب سے پہلے گامزن ہوئے وہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ ہیں۔ ذہن میں قدرتی طور پر یہ خیال آتا ہے کہ جو مجاہدے اور ریاضتیں تصوف میں رائج ہیں ان کی ابتدا بھی حضرت علیؓ ہی سے ہوئی ہوگی۔ شاہ ولی اللہؒ نے تصوف کے چار ادوار قائم کئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ کا پہلے دور سے ہی تعلق ہو سکتا ہے۔ پہلے دور کی خصوصیات شاہ ولی اللہؒ نے یہ بتائی ہیں:

"تصوف کا پہلا دور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کے زمانے میں اور چند نسلوں تک اہل کمال کی بیشتر توجہ زیادہ تر شریعت کے ظاہری اعمال کی طرف رہی ہے ان لوگوں کو باطنی زندگی کے جملہ مراتب شرعی احکام کی پابندی کے ذیل ہی میں حاصل ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ان بزرگوں کا احسان، یعنی حاصل تصوف یہ تھا کہ وہ نمازیں پڑھتے تھے ذکر و تلاوت کرتے تھے ــــ روزے رکھتے تھے۔ حج کرتے تھے۔ صدقہ اور زکوٰۃ دیتے تھے اور جہاد کرتے تھے ان میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہوتا جو سر نیچے کئے بحرِ تفکرات میں غرق نظر آتا"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کا تعلق تصوف کے دورِ اول سے ہے لیکن اس دور میں نہ وہ مجاہدے تھے ہیں نہ وہ ریاضتیں جو "ہمعات" میں بیان کی گئی ہیں اور جو آج بھی رائج ہیں۔ ایسی صورت میں کیا یہ سوال نہیں اٹھتا کہ یہ مجاہدے اور ریاضتیں کہاں سے آئیں۔ جناب قاضی جواب دیتے ہیں کہ یہ علمائے ربانیین نے تجویز فرمائیں۔ اگر یہ بتا دیا جائے کہ فلاں عالم نے فلاں ریاضت تجویز کی اور فلاں نے فلاں اور یہ ریاضتیں ہندو جوگیوں یا اور غیر مسلموں کی ریاضتوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھتیں تو ڈاکٹر تاراچند اور مالکم اور براؤن اور ان کے ہم خیال اور سینکڑوں محققین سے ہم کہ سکیں گے کہ آپ کا یہ کہنا سراسر جھوٹ ہے کہ ہمارے تصوف کے پاک چشمے میں ہندوازم، بدھ ازم، مسیحیت، نوافلاطونیت اور زردشت اور مانی کے خیالات کے گندے دھارے شامل ہو گئے ہیں۔ ڈاکٹر تاراچند۔ مالکم اور براؤن تو غیر مسلم ہیں۔ دورِ حاضر کے ایک بہت بڑے صوفی منش مفسر قرآن حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی بھی موجودہ تصوف کے بارے میں قریب قریب یہی فرماتے ہیں:-

"ان حضرات (قدیم اکابر صوفیہ رحمتہ اللہ علیہم) کے نزدیک تصوف کا مفہوم محض اس قدر تھا کہ اتباعِ کتاب و سنت میں انتہائی سعی کی جائے۔ اسوۂ رسولؐ و صحابہؓ کو دلیلِ راہ رکھا جائے اور امر و نواہی کی تعمیل کی جائے۔ طاعات و عبادات کو مقصودِ حیات سمجھا جائے، قلب کو محبت و تعلقِ ماسوا سے الگ کیا جائے، نفس کو خشیتِ الٰہی سے مغلوب کیا جائے اور صفائے معاملات و تزکیۂ باطن میں جہد و سعی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے پائے"۔

"حضرت شیخ جیلانی بلکہ ان کے مرید با اختصاص اور بانی سلسلۂ سہروردیہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی تصنیفات میں یہ اسلامی عنصر قائم اور یہی رنگ غالب ہے اس زمانہ کے بعد شیخ ابن عربیؒ کے اثر سے نظامِ تصوف میں فلسفیانہ عنصر کو غلبہ ہونے لگا۔ وحدتِ وجود وغیرہ کے مسائل

پیدا ہونے لگے اور فارسی شاعری کے اثر سے ان تخیلات کو اور تقویت ہوتی گئی۔ چنانچہ ملا جامیؒ کی لوائح . . . . . ایک اچھی خاصی فلسفیانہ تصنیف کی حیثیت رکھتی ہے۔ تاہم نویں صدی کا یہ تصوف بھی اگرچہ ابتدائی صدیوں کے تصوف سے بہت کچھ منحرف ہو چکا تھا ان رسم پرستیوں سے کوئی تناسب نہیں رکھتا جن پر آج اکثر خانقاہوں اور درگاہوں میں تصوف کا اطلاق ہوتا ہے۔"

"تصوف کی موجودہ مسخ شدہ شکل یونانی اوہام، ایرانی تخیلات، ہندی مراسم اور دیگر غیر اسلامی عناصر کا ایک معجونِ مرکب ہے جس کے صرف بعض اجزاء اسلامی کہے جا سکتے ہیں اور وہ بھی بڑی تلاش و دیدہ ریزی کے بعد نظر آتے ہیں حاشا ثم حاشا یہ اسلامی تصوف نہیں، اسلامی تصوف وہ تھا جو خود حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، جو حضرت ابوبکر صدیقؓ و علی مرتضیٰؓ کا تھا جو سلمانؓ و بوذرؓ کا تھا، جس کی تعلیم جنید بغدادیؒ و رابعہ بصریؒ نے دی ہے، جس کی ہدایت شیخ جیلانیؒ، شیخ سہروردیؒ، خواجہ اجمیریؒ و محبوب دہلویؒ، خواجہ نقشبندیؒ و مجدد سرہندیؒ کرتے رہے اور جس کی دعوت اس دور آخر میں شاہ ولی اللہؒ دہلوی کی زبان قلم سے ہوتی رہی" "تصوف اسلام" مولفہ عبدالماجد صاحب

اکثر خانقاہوں اور درگاہوں کے موجودہ تصوف کے بارے میں جو کچھ مولانا عبدالماجد نے فرمایا ہے وہ ڈاکٹر تاراچند وغیرہ کی تائید کرتا ہے یعنی ان کے نزدیک بھی یہ بات ثابت ہے کہ تصوف کی موجودہ مسخ شدہ شکل یونانی اوہام، ایرانی تخیلات، ہندی مراسم اور دیگر غیر اسلامی عناصر کا ایک معجون مرکب ہے۔

جناب ذہین شاہ تاجی نے بغیر "ہمعات" کا مطالعہ کئے ہوئے فرما دیا کہ یہ جملہ کہ ان میں سے کوئی شخص نہ تھا جو سر نیچا کئے بحر تفکرات میں غرق نظر آتا، ہرگز شاہ ولی اللہ کا نہیں ہو سکتا۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ "ہمعات" کا ترجمہ جناب پروفیسر محمد سرور کا کیا ہوا ہے میرا مقصود صرف ان کی عبارتیں نقل کرنا ہے۔ البتہ مجھے اتنا ضرور کہنا ہے کہ کسی کے متعلق تحریف تک کا گمان کر لینا مناسب نہیں۔ شاہ ولی اللہ کی کتابیں ہر جگہ ملتی ہیں۔ "ہمعات" نایاب کتاب نہیں ہے۔ مجھ پر یا مترجم پر تحریف کا الزام لگانے سے پہلے جناب تاجی کا اخلاقی فرض تھا کہ وہ "ہمعات" کی عبارت خود پڑھ لیتے۔

میں نے اپنے مضمون میں "ہمعات" سے کچھ عبارتیں بھی نقل کی تھیں جو جناب تاجی کے مسلک کے خلاف پڑتی ہیں ان میں سے نفسِ ناطقہ میں لطیف کیفیات پیدا کرنے والے دو مختلف طریقے پھر نقل کرتا ہوں غالباً انہیں بھی جناب موصوف تحریف ہی پر محمول کریں گے۔

"شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وجد کے طالبوں کے لئے جو راہ تجویز فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ آدمی وعظ سنے، قرآن کی تلاوت کرے اور ساتھ ساتھ اس کے معنی پر غور کرے دورانِ تلاوت میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کی بخشش و رحمت کا ذکر آئے وہاں اس سے رحمت چاہے اور جہاں عذاب کا ذکر ہے وہاں اس کے عذاب سے پناہ مانگے اور جن آیات میں صفاتِ الٰہی کا بیان ہے ان کی تلاوت کرتے وقت خدا تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرے۔ اس کے علاوہ رقت پیدا کرنے والی احادیث اور حکایات

کو پڑھے انسان کے مطالب کو اپنے ذہن میں بار بار دہرائے"

اب ذرا اس طریقے کا حال سنئے جو بقول شاہ ولی اللہؒ اکثر لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے۔

"نفس ناطقہ میں لطیف کیفیات پیدا کرنے کے لیے کند ذہن اور جامد طبیعت والوں کو سماع کی بھی ضرورت پڑتی ہے اور بہتر یہ ہے کہ سماع میں رنگین اشعار ہوں اور وہ نغمے اور زیر و بم کے ساتھ گائے جائیں اور خاص طور پر وہ اشعار زیادہ مؤثر ہوتے ہیں جن میں اچھے استعارے ہوں اور ان کے قافیے بہت عمدہ اور ان کا اسلوب بیان بڑا دلچسپ ہو ۔ . . . . اس ضمن میں اس شخص کے لیے رباب و طنبورے کی موسیقی بھی مفید ہے کیونکہ موسیقی سرور و مستی پیدا کرنے میں وہی تاثیر رکھتی ہے جو تاثیر شراب میں ہوتی ہے"

جناب تاجی نے مجھے نصیحت فرمائی ہے کہ "سب سے پہلے بدعتی گروہ کے طریقِ کار اور طرزِ عمل سے اجتناب کلی اختیار کریں" بہتر ہے کہ وہ یہ نصیحت ان لوگوں کو کریں جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ کو چھوڑ کر رباب اور طنبورے والا طریقہ اختیار کرتے ہیں، سماع اور رقص و مزامیر کے بارے میں ایک بہت بڑے صوفی کے بھی کچھ خیالات درج کرتا ہوں۔

"سماع و رقص فی الحقیقت لہو و لعب میں داخل ہے اور اس کی حرمت کے بارے میں آیتیں، حدیثیں اور فقہی روایات اس کثرت سے ہیں کہ اس کا شمار مشکل ہے . . . . صوفیوں کا عمل حلّت و حرمت میں کوئی سند نہیں"

"افسوس کہ طائفۂ صوفیہ میں بہت سے ایسے ہیں جو اپنی بے چینی کا علاج سماع و نغمہ اور وجد و تواجد میں ڈھونڈتے ہیں"

"صوفیہ وقت بھی اگر کچھ انصاف کریں تو سنت کے سوا اپنے پیروں کا اتباع نہ کریں۔ اتباعِ سنت باعثِ نجات ہے اور غیرِ سنت کی تقلید خطر در خطر ہے ہمارے پیروں (سلسلہ نقشبندیہ کے پیروں) کو خدا جزائے خیر دے جنہوں نے اتباعِ سنت کی ہدایت کی اور اپنی تقلید سے منع کیا اور سماع اور رقص پر پشت پا ماری۔ اور وجد و تواجد کو انگشتِ شہادت سے دو ٹکڑے کر دیا۔"

مجھے معلوم ہے کہ حضرت ولی اللہؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مندرجہ بالا ارشادات کچھ لوگوں کے لیے قابل قبول نہ ہونگے میرے ایک جملہ پر جو دراصل شاہ ولی اللہؒ کے قول پر مبنی تھا اور جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے جناب تاجی نے مجھے جھوٹا ٹھیرا یا ہے معلوم نہیں اب مندرجہ بالا فقروں پر وہ کس کس کو جھوٹا کہیں گے یہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے اور میں نے بالتفصیل اپنے مضمون میں لکھ دیا ہے کہ ایک طائفۂ صوفیہ "کے نزدیک مزامیر و رباب و چنگ پر گانا سننا اور وجد میں آکر رقص کرنا جائز ہے۔ میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ صوفیوں کے ان دو مختلف طائفوں میں کون سا حق پر ہے اسی لئے میں نے اپنے مضمون کا عنوان "تصوف کے مختلف نظریئے" رکھا تھا ایک طرف کچھ صوفی خدا کے صمد اور اعلیٰ ہونے کے قائل نہیں بلکہ خالق کو مخلوق اور مخلوق کو خالق کہنے پر مصر ہیں تو دوسری طرف وہ ہیں جو فرماتے ہیں کہ "خبردار ہرگز صوفیوں کی ان بیہودہ باتوں پر فریفتہ نہ ہو اور غیر خدا کو خدا نہ جانو" جناب تاجی کی یہ تو ہمت نہیں ہوئی کہ ان اکابر صوفیہ کو کچھ کہتے جن کے اقوال ان کے مسلک

کے خلاف ہیں البتہ انہوں نے مجھے بزرگوں پر زبان درازی کرنے کا قصوروار ٹھیرا دیا حالانکہ میرا تقصیر صرف اتنا ہے کہ میں نے صوفیہ کرام کے ہر طرح کے اقوال نقل کر دیئے ہیں۔

میں نے اپنے مضمون میں یہ حدیث بھی نقل کی تھی کہ ایک بار سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ اصحاب کو تقدیر کے مسئلہ پر گفتگو کرتے سنا تو ناراض ہوئے اور فرمایا کہ " . . . . قرآن کی ایک آیت دوسری پر پٹکتے ہو تم سے پہلے جو قومیں تھیں اسی سے ہلاک ہوئیں" مقصد یہ تھا کہ بال کی کھال نہ کھینچو اور عقائد کا فلسفیانہ تجزیہ نہ کرو۔ مولانا عبدالماجد صاحب کی جو عبارت پہلے نقل ہو چکی ہے جس سے یہ بات عیاں ہے کہ فلسفہ کی موشگافیوں کی وجہ سے نویں صدی کا تصوف ابتدائی صدیوں کے تصوف سے بہت کچھ منحرف ہو چکا تھا ملاحظہ فرمایئے کہ اس انحراف نے کیا کیا گل کھلائے ــــ

" خدا کیوں کر صمد ہوا جب کہ میں اس کی مدد کرتا ہوں "

" خدا کے اسمائے حسنہ میں ایک نام اعلیٰ ہے جب کائنات میں کوئی غیر نہیں تو وہ کس سے اعلیٰ ٹھیرے گا "

" خالق مخلوق ہے اور مخلوق خالق ہے "

" جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہا یا مخلوق جانا وہ کافر ہے "

" عشق میں نماز رکوع اور سجدے کے بغیر ہے اور اس میں مومن، نصرانی اور یہودی برابر ہیں "

" مجاہدہ کرکے مشاہدہ میں آکر حق کے ساتھ ایک ہو گئے اور حق ہو گئے ہیں کہ الصوفی اللہ (صوفی اللہ ہے) "

اس کے برخلاف حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں :ــ

" یہ جان لے کہ حق تعالیٰ قدیم ہے اور تو حادث ہے تیری جنس سے کوئی چیز اس کے ساتھ پیوست نہیں ہو سکتی "

اور حضرت مجدد الف ثانی " ان لوگوں کو جو خالق و مخلوق میں تفریق نہیں کرتے ملحد و زندیق کہتے ہیں۔

" ان (صوفیاء کرام) کی مراد صرف محوِ نظری ہے نہ کہ محوِ حقیقی اور ذواقی اور اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ سالک کی نظر سے اپنا وجود مخفی اور مجہول ہو جاتا ہے نہ یہ کہ وہ فی الواقع باقی نہیں رہتا کہ ایسا خیال کرنا تو الحاد و زندقہ ہے "

اگر یہ مان لیا جائے کہ " کوئی غیر نہیں " تو پھر ابلیس کون ہے اور اگر آنحضرت کو بشر کہنے والا کافر ٹھیرے تو وہ شخص جو نماز پڑھتا ہے اور انہیں عبدہٗ و رسولہٗ کہتا ہے کیا ٹھیرے گا۔ اور اگر مومن، نصرانی اور یہودی سب برابر ہیں تو پھر اسلام کی بحیثیت ایک علیحدہ دین کی کیا ضرورت رہتی ہے اور ہاں جب صوفی ہی اللہ ہو گیا تو پھر

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

(جتنے اقتباسات دیئے گئے ہیں ان کے حوالوں کے لئے میرا مضمون دیکھا جائے)

کسی کا آدھا مضمون پڑھے بغیر اعتراض جڑ دینا تنقید کا ایک نرالا طریقہ ہے میں نے مضمون اس لئے لکھا تھا کہ ڈاکٹر تاراچند نے جو تصویر تصوف کی کھینچی تھی وہ اس کے ایک رُخ کی تصویر تھی۔ ان کا یہ کہنا کہ موسیقی اور رقص تصوف کی عبادت ہے اور عالم محسوسات سے گزر کر خدا سے جا ملنا اس کی منزلِ مقصود ہے اسلام کی تعلیم سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اسلام کی عبادتیں روزہ، نماز، زکوٰۃ، حج اور جہاد ہیں اور مومن کی آخری منزل خدا میں جا ملنا نہیں بلکہ اس جنت کو حاصل کرنا ہے جسے خدا نے فوز العظیم کہا ہے جیسا کہ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا یہ ہرگز ممکن نہیں کہ حادث انسان خدا سے جو قدیم ہے،

روحِ انتخاب

عبدالحمید صدیقی (ایم اے)

مذہب کے بغیر انسانیت

دنیا پرستوں کی طرف سے یوں تو ہر زمانے میں مذہب کے خلاف ایک جذبۂ نفرت موجود رہا ہے مگر دورِ جدید میں سوشلزم کے فروغ کے ساتھ اس جذبے میں غیر معمولی شدت پیدا ہوئی ہے اور بعض لوگ جذبۂ نفرت کے مختلف پہلوؤں اور اس کے منطقی نتائج پہ غور کئے بغیر یہ کہنے لگے ہیں کہ آخر انسان مذہب کے اثرات سے آزاد ہو کر کیوں بہتر اور شادکام زندگی بسر نہیں کر سکتا جن لوگوں نے کبھی کسی مسئلہ پہ سنجیدگی سے غور نہیں کیا وہ تو خیر اسی راہ پر گامزن رہیں گے اور اس وقت تک اپنے دل میں مذہب کے خلاف نفرت کے جذبات پالتے رہیں گے جب تک کہ لادینیت اپنی ساری ہولناکیوں کے ساتھ دنیا پر مسلط ہو کر انسانی زندگی کو پوری طرح جہنم نہ بنا دے لیکن وہ حضرات جو وقتی نعروں سے فوراً اثر قبول کرنے کے عادی نہیں ہیں اور آنے والے حالات و واقعات پہ غور و فکر کرنے کے خوگر ہیں انہیں یہ ضرور سوچنا چاہیے کہ کیا مذہب کے بغیر انسانیت زندہ بھی رہ سکتی ہے؟ اور اگر مذہب دنیا سے رخصت ہو جائے تو پھر انسانیت ناگزیر طور پہ کس خوفناک انجام سے دوچار ہوگی!

اس مسئلہ پہ بحث سے پیشتر چند باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔

(۱) ہمیں مذہب کی بگڑی ہوئی صورتوں سے کوئی سروکار نہیں۔ اگر بعض چالاک اور عیار لوگوں نے دنیوی مفادات کی خاطر مذاہب کا حلیہ بگاڑا ہے تو یہ اُن کی عیاریاں ہیں مذہب کو اس سلسلے میں کسی طرح بھی موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

(۲) دنیا کے مذاہب نے اپنی اپنی جگہ فکر و عمل کا جو نظام دیا ہے وہ بھی اس مضمون میں ہمارے پیشِ نظر نہیں ہے ہم اس کی تفصیلات میں نہیں جانا چاہتے ہمیں نفسِ مذہب کی ناگزیر ضرورت اور اس کی غیر معمولی افادیت سے بحث کرنا ہے ہمیں ان صفحات میں یہ دکھانا ہے کہ اگر دنیا سے مذہبی افکار و احساسات بالکل ختم ہو جائیں تو پھر انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا کیا نقشہ اور انداز ہوگا اور کیا اس نقشے اور انداز کو متمدن زندگی کہا جا سکے گا۔

مادیت کے پرستاروں نے مذہب کو بے وزن اور بے کار ثابت کرنے کے لئے جس انداز سے اس کے ارتقاء کی داستان مرتب کی ہے وہ بڑی غلط ہے اُن کا چونکہ سارا زور اس بات پہ ہے کہ اصل چیز مادہ ہے اور خدا بھی چونکہ مادہ کی اسی خارجی دنیا کا انسان کے ذہن میں عکس ہے اس لئے خدا کے بارے میں انسانی تصورات خارجی حالات کی تبدیلی سے بدلتے رہتے ہیں آغاز میں جب انسان کے علم اور مشاہدے کا دائرہ محدود تھا تو وہ لاتعداد مظاہرِ قدرت کو خدا مان کر اُن کی پرستش کیا کرتا

پیوست ہو جائے۔ میں نے اسلام کے رخ زیبا سے وہ داغ مٹانے کی کوشش کی تھی جو ڈاکٹر تارا چند کے نظریہ تصوف سے لگ گیا تھا۔ اس غرض سے میں نے متعدد کتابوں کا مطالعہ کیا جن میں جہاں ڈاکٹر تارا چند کے نظریہ سے بھی روشناس ہوا اگر میں جناب تاجی کی طرح یہ کہہ دیتا کہ جو کچھ ڈاکٹر تارا چند نے لکھا ہے سراسر جھوٹ ہے تو وہ حقائق کا انکار ہوتا۔ چنانچہ میں نے دونوں رخ پیش کر دیے۔ محض ڈاکٹر تارا چند ہی نہیں بلکہ تمام مستشرقین بلکہ جناب عبدالماجد دریا بادی ایسے صوفی منش عالم بھی یہ کہتے ہیں ہم زبان ہیں کہ تصوف میں یونانی، ایرانی اور ہندوستانی افکار و افعال کی بہت آمیزش ہے اسی بنا پر مولانا عبدالماجد نے "حاشا ثم حاشا" کہہ کر فرمایا ہے کہ اکثر خانقاہوں اور درگاہوں کا مسخ شدہ تصوف اسلامی تصوف نہیں ہے۔ اگر جناب تاجی اسے خالص اسلامی تصوف ثابت کر دیں تو ہم مسلمان مستشرقین سے کہہ سکیں گے کہ تم نے جو ہمارے تصوف کے پاک چشمہ میں مسیحیت، نوافلاطونیت، ہندو ازم، بدھ ازم، زردشتیت اور مانی کے غیر اسلامی نظریوں کو شامل کرنے کی کوشش کی ہے وہ تمہارے تعصب پر مبنی ہے۔ دیکھو ہمارے محترم صوفی جناب تاجی نے کس قطعیت کے ساتھ ثابت کر دیا کہ جس جس چیز پر غیر اسلامی ہونے کا شبہ تھا وہ دراصل فلاں فلاں عالم ربانی کی ایجاد تھی۔ مگر یہ کام ذرا زحمت طلب ہے اس میں دوسروں کو محرف، دروغ گو، زبان دراز، بدعتی وغیرہ کہنے سے کام نہ چلے گا اور نہ یہ طریقہ کارگر ہوگا کہ کسی چیز کو آدھا تہائی پڑھ کر اس پر خامہ فرسائی شروع کر دی جائے دنیا کے عالموں کا مقابلہ علم ہی سے کرنا ہوگا جس کے لئے سینکڑوں ہزاروں کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے اور اس میں یہ ڈر بھی ہے کہ یہی وسیع مطالعہ کہیں یہی ثابت نہ کر دے کہ (بقول مولانا عبدالماجد) اکثر خانقاہوں کا مروجہ تصوف دراصل اسلامی تصوف ہے ہی نہیں۔

رہا جناب تاجی کا یہ فرمانا کہ ایک ہی طریقہ سنت کی مختلف گروہوں میں مختلف تشریح کی گئی ہے تو اس پر مجھے ڈین لو (DEAN LOWE) کا یہ قول جو پروفیسر ایچ اے آر گب نے اپنی تصنیف "اسلام میں جدید میلانات" میں صفحہ ۸۸ پر نقل کیا ہے یاد آتا ہے کہ تصوف کی راہ میں قدم رکھتے ہی کسی چیز کے کچھ بھی معنی لئے جا سکتے ہیں۔

ONCE THE PATH OF MYSTICAL INTEPRETON IS ENTERED ANY THING CAN MEAN ANY THING.

تھا اُس کے بعد جب اُس کے علم کا دائرہ وسیع ہوا اور اُس کے اندر مظاہر کائنات کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوئی تو خداؤں کی تعداد گھٹتی چلی گئی اور پھر ایک خدا کا تصور باقی رہا اور اب اس خیالی پیکر سے بھی انسان کو نجات ملنی چاہیئے کیونکہ یہ بھی محض واہمہ ہی ہے

خدا کے بارے میں یہ پورا فلسفہ من گھڑت ہے جس کا حقیقت سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں۔ خدا کا وجود خارجی حالات کا عکس نہیں بلکہ وہ ایک ایسی زندہ اور ناقابلِ انکار حقیقت ہے جسے تسلیم کئے بغیر اس کائنات میں انسانی زندگی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے انسان کی فطرت اور اس کے قلب و دماغ میں خدا کے وجود کا احساس اسی وقت ودیعت کر دیا گیا تھا جس وقت ابوالبشر کی تخلیق کی گئی اس کی وجہ یہ ہے کہ اس ذات کے شعور و احساس کی بنا پر اس کے اندر اخلاقی احساس پیدا ہوتا ہے جو اُسے دوسرے حیوانات سے ممیز اور ممتاز کرتا ہے توحید کا تصور ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے انسان کے قلب و دماغ میں پیدا نہیں ہوا بلکہ وہ اول روز ہی سے موجود ہے یہی تصور صحیح اور برحق ہے اور اسی تصور سے انسان کے اندر صحیح اخلاقی شعور جنم لیتا ہے لہذا یہ بات کہ انسان نے مدت دراز کے بعد توحید کے تصور کو اپنایا، بالکل غلط ہے۔

عہدِ جدید میں انسانیت کے ماہرین نے بعد قدیم قبائل کے افکار و اعمال کا جائزہ لیا ہے اور اس جائزہ کے لئے ایسے قبائل کو منتخب کیا گیا ہے جو آج کی متمدن دنیا سے بالکل الگ تھلگ ہیں جن کا اندازِ زیست پتھر اور لوہے کے ادوار سے ملتا جلتا ہے لیکن وہ مظاہر قدرت کی پرستش کے بجائے خالص توحید کے قائل اور ایک خدا کے پرستار ہیں اس سلسلے میں یوں تو بہت سے محققین نے اپنی تحقیقات پیش کی ہیں مگر شمیٹ (SCHMIDT) اور ایچ جے روز (ROSE) دو جرمن اہلِ قلم کی تصریحات قابلِ غور ہیں۔ انہوں نے افریقہ اور آسٹریلیا کے متعدد قدیم قبائل کے حالات کا بڑی دقتِ نظر سے جائزہ لیا اور پھر اپنی تحقیقات کو ایک کتاب "مذہب کا آغاز اور اس کی نشو و نما" کی صورت میں مدون کیا ہے انہوں نے صاف طور پر یہ کہا ہے۔

> "قدیم تمدن میں سب سے اعلیٰ و ارفع ذات خدائے واحد کی ہے اور جو مذہب ایک خدا کو تسلیم کرتا ہے وہ توحیدی مذہب کہلاتا ہے اس صورتِ حال پر بہت سے مصنفین نے اعتراضات کئے ہیں ان کے جوابات میں میں یہ کہتا ہوں کہ بہت سے قبائل ایسے ہیں جن کے ہاں ایک ارفع و اعلیٰ ذات پر ایمان اُن کے توحیدی مزاج کی واضح علامت ہے یہ حقیقت بہت سے نگی قبائل (PYGMY) قدیم بش من (BUSHMEN) کرنائے (KURNAI) کیولین (KULIN) اور جنوب مشرقی کے یون قبیلے کے متعلق وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے[1]"

ان نیم متمدن قبائل کے ہاں جنہیں علم کی ہوا تک بھی نہیں لگی، توحید کا تصور اس حقیقت پر شاہد ہے جسے قرآن مجید نے پیش کیا ہے کہ انسان کی فطرت کو صحیح مذہب پر بنایا گیا اور پھر اول روز ہی سے اُس کے لئے ہدایت الٰہی کا سامان کیا گیا لہذا وہ ابتدائے آفرینش ہی سے خدا، وحی، حشر و نشر، اور رسالت کے بارے میں صحیح قسم کے احساسات رکھتا ہے اگر وہ اس

---

[1] THE ORIGIN AND GROWTH OF RELIGION P. 262

فطری حالت سے الگ ہو کر کوئی دوسری روش اختیار کرتا ہے تو یہ گمراہی کی راہ ہے جسے اُس نے خود اختیار کیا ہے۔

مذہب کے مطالعہ سے اصل صورتِ حال یہ سامنے آتی ہے کہ قادرِ مطلق نے جب انسان کو مادی اور روحانی احتیاجات کے ساتھ اس کرۂ ارضی پر اُتارا تو ان دونوں قسم کی احتیاجات کی تسکین کا سامان بھی فراہم کیا جس طرح اُس نے انسان کی بھوک پیاس اور صنفی خواہش کو پورا کرنے کے لیے خوراک پانی اور اس کے جوڑے کا انتظام کیا بالکل اسی طرح انسان کی رُوحانی اور اخلاقی تمناؤں اور آرزوؤں کی تکمیل کے لیے آسے ایک واضح نظامِ ہدایت بھی عطا فرمایا تاکہ اُس کی رُوح تشنہ نہ رہے مثلاً ہر انسان میں جبلی طور پر یہ آرزو ہوتی ہے کہ وہ یہ جانے کہ اس عالمِ محسوسات سے ماورا کیا ہے؟ اس کا جواب اُسے یہ دیا گیا کہ اس عالمِ محسوسات سے ماورا ایک ارفع و اعلیٰ روحانی نظام موجود ہے جو برابر انسان پر اثر انداز ہو کر اس کے اندر اخلاقی احساسات پیدا کرتا ہے۔ پھر انسان اپنے متعلق یہ جاننے کے لئے بھی آرزومند رہتا ہے کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جائے گا؟ اس کا جواب بھی اُسے یہ دیا گیا کہ اُس کا آغاز بھی اُسی قادرِ مطلق ذات نے کیا ہے اور انجام کار بھی وہ اُس کے حضور میں حاضر ہوگا پھر دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے اندر

دیکھے بھالے، بن سوجھے

جانے پہچانے، بن بُوجھے

وجود کا احساس موجود نہ ہو ہر فرد کائنات کی اس بنیادی حقیقت کے بارے میں سوچتا ہے اور اس کی فطرت یہ مطالبہ کرتی ہے کہ اُس کے ساتھ اپنے آپ کو ہم آہنگ کرے دنیا میں کوئی فرد ایسا نہیں جو اس احساس سے خالی ہو یہ احساس انسان کے اندر اُسی طرح ایک گہری خلش پیدا کرتا ہے جس طرح کہ بھوک اور پیاس یا دوسری جبلی خواہشات خلش پیدا کرتی ہیں یہ احساس وقتی طور پر دب تو سکتا ہے مگر مٹ نہیں سکتا اور ہلکی سی لے کی طرح ہر وقت موجود رہتا ہے انسان اس حقیقت سے تو بہر حال واقف ہے کہ اس کی ہر شعوری اور جذباتی کیفیت کے لیے ایک معروض (OBJECTIVE) کا ہونا ضروری ہے اگر غصہ آجائے تو کسی بات یا شخص پر ہوگا خوشی پیدا ہوگی تو کسی چیز یا خیال سے پیدا ہوگی اب اگر دوسری نفسی کیفیات کے لئے معروض کا وجود ضروری ہے تو ان کی اس سب سے بڑی اہم کیفیت کے لئے معروض کیوں نہ ہو اس کا جواب بھی مذہب نے یہ دیا ہے کہ یہ کیفیت انسان کی روحانی اور اخلاقی اساس ہے اور اس کا معروض دنیا کی سب سے بڑی حقیقت ہے جو خارجی دنیا میں سورج سے زیادہ روشن اور داخلی طور پر اس کی اپنی زندگی یعنی شاہ رگ سے زیادہ قریب ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

قالت رسلھم افی اللہ شک فاطر السّمٰوٰت والارض ۔ (ابراہیم: ۱۰)

رسولوں نے کہا کیا خدا کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے۔

یہ سارے احساسات جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے انسانی نفس کے بنیادی احساسات ہیں جن سے کسی صورت میں مفر نہیں پھر ان کی نوعیت ایسی ہے کہ کوئی انسان محض مادی زندگی کے شواہد اور حقائق سے ان کی تسکین نہیں کر سکتا آخر سوچیے کہ اس عالم محسوسات سے ماورا حقیقتِ کبریٰ کو جاننے اور اس کے ساتھ اپنی زندگی کو ہم آہنگ کرنے کی آرزو کو یہ کہہ کر کس طرح پورا کیا جا سکتا ہے کہ یہ محض وہم ہے؟ یہ سارے احساسات تو کسی گہری روحانی اور وجدانی کیفیت کے ترجمان ہیں جن کی تسکین انبیاء الغیب ہی سے ممکن ہے اگر ہم ان کی نفی کر دیں تو یہ احساسات تو مٹ نہیں سکتے یہ اپنی تسکین کے لئے کوئی اور راستہ پیدا کر لیں گے۔

ہم یہاں اس راستہ کی نشاندہی کرتے ہیں اور اس پر گامزن قافلۂ انسانیت کے مصائب اور دشواریوں کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔ مذہب کے دشمن جھٹ سے یہ تو کہہ دیتے ہیں کہ مذہب انسانوں کے لئے افیون اور سامراج کے ہاتھ میں ظلم کا ہتھیار ہے مگر انہوں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ مذہب کے بغیر انسانیت کی کس طرح مٹی پلید ہوتی ہے۔

بعض سادہ لوگ اس فریب میں بھی مبتلا ہوتے ہیں کہ دنیا کی بعض قوموں نے مذہب کو تیاگ کر بھی ایک اجتماعی زندگی کی بنیاد رکھی ہے اور یہ اس بات کی شہادت ہے کہ مذہب کے بغیر بھی زندگی بسر کی جا سکتی ہے یہ صورتِ حال کا بالکل سطحی مطالعہ ہے۔ مذہب سے انسان چونکہ ہزاروں سال سے مانوس چلا آرہا ہے اس لئے اس کے لاشعور میں ابھی تک اخلاقی احساسات موجود ہیں اور ان کی وجہ سے وہ ابھی تک بعض ایسی بنیادی انسانی صفات سے یکسر محروم نہیں ہوا جن کے ناپید ہونے سے اس کی زندگی پوری طرح درندگی کا نمونہ بن جائے انسان کا حشر اس وقت دیکھنے کے قابل ہوگا جب وہ ان اخلاقی احساسات سے یکسر تہی دامن ہو جائے گا۔

دوسرے ابھی تک یہ قومیں دورِ تعمیر سے گزر رہی ہیں اس لئے ان کے سامنے لادینیت کے منطقی نتائج اُبھر کر سامنے نہیں آئے۔ پھر دوسری قوموں کے خلاف ان کے دل میں جو بے پناہ جذبۂ نفرت و حقارت پیدا کر دیا گیا ہے اس سے بھی ان کے اندر ایک مصنوعی قوتِ عمل پیدا ہوئی ہے جس نے ان کے اخلاقی شعور کو وقتی طور پر اس حد تک مفلوج کر دیا ہے کہ ان کے اندر احساسِ زیاں باقی نہیں رہا۔ مگر انسانوں کے اخلاقی شعور یا دوسرے لفظوں میں ان کی انسانیت کو دیر تک اس حالت میں نہیں رکھا جا سکتا وہ ترقی کے اس طلسم کے ٹوٹتے ہی بیدار ہوگی اور اس وقت اسے یہ احساس ہوگا کہ اسے ان احساسات سے محروم کر کے اس کے ساتھ شرمناک کھیل کھیلا گیا ہے اس بنا پر مذہب دشمن قوتوں کی موجودہ صورتِ حال کو لادینیت کے حق میں وجہ جواز نہیں ٹھیرایا جا سکتا کیونکہ اس صورتِ حال کے نتائج ابھی کھل کر سامنے نہیں آئے۔ مذہب کے بغیر انسانیت کا حلیہ کس طرح بگڑے گا موجودہ حالات کے پیشِ نظر اس کا ایک ہلکا سا ادراک کیا جا سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے انکارِ خدا ہی کو لیتے ہیں۔

خدا کی ہستی کا شعور و ادراک، جیسا کہ ہم پہلے گزارش کر چکے ہیں انسانی فطرت کا بنیادی تقاضہ ہے انسان اس احساس سے ایک لمحہ کے لئے بھی دستکش نہیں ہو سکتا اگر وہ اس احساس کی تسکین کے لئے صحیح راہ نہیں پاتا تو وہ نہ صرف انسانیت کے سب سے شیریں عنصر سے محروم رہتا ہے بلکہ بڑی غلط راہوں پر چل نکلتا ہے چنانچہ دیکھئے کہ جن قوموں نے خدا کا انکار کیا انہوں نے قومیت یا ریاست جیسے جھوٹے خداؤں کی پرستش اختیار کی اور اپنے جذبۂ روحانی کی تسکین کے لئے ان کے ساتھ اس طرح کا والہانہ جذبۂ عقیدت استوار کیا جس طرح کہ ایک خدا پرست انسان سچے خالق اور مالک کے ساتھ کرتا ہے ایک فلسفی نے کس قدر صحیح کہا ہے کہ خدا کے ساتھ روحانی تعلق انسان کی ایک بنیادی ضرورت ہے وہ اگر اس تعلق کے لئے خدا کو نہیں پہچانتا تو پھر شیطان کے ساتھ رشتۂ عبودیت استوار کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے۔ قوم، وطن یا مملکت کی پرستش کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس ایک معبود کے سامنے دوسرے معبودوں کا ابطال کیا جائے۔ اس احساس کے تحت جارحانہ قوم پرستی کا نظریہ پیدا ہوا جس کی رُو سے دنیا کی ہر قوم دوسری قوموں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے پر تُل گئی۔ پھر اپنے گھر کے اندر قوم کے

افراد نے اسے خدا سمجھ کر اس کے ہر جائز و ناجائز مطالبے کو پورا کرنے کی کوشش کی اور اسی کو زندگی کی معراج خیال کیا۔ ظاہر بات ہے کہ قومی مطالبے قوم اور وطن کے سربراہوں کی زبان ہی سے ظاہر ہوتے ہیں اس لیے ان سربراہوں کو معاشرے میں اسی بلند مقام پر فائز کر دیا گیا جس مقام پر کہ مذاہب میں خدا کے پیغمبر فائز کئے جاتے ہیں دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ انسان اپنے روحانی احساسات کی تسکین کے لیے جو مادی مذہب اختیار کرنے پر مجبور ہوا ہے اس میں خدا کی جگہ قوم کی پرستش اور رسول کی غیر مشروط اور خوش دلانہ اطاعت کی جگہ ارباب اختیار کی بے چون و چرا اطاعت موجود ہے مگر سوال یہ ہے کہ کیا اس انداز فکر اور طرز عمل سے انسان کی روح کو تسکین حاصل ہو سکتی ہے؟ قوم اور وطن دونوں الوہیت کے اس لطیف اور ذہنی عنصر سے عاری ہیں۔ جو انسان حق تعالیٰ کی بلند و بالا ذات میں پاتا ہے۔ انسان فطری طور پر عالم محسوسات سے ماوراء کسی اعلیٰ و ارفع ذات سے رشتہ عبودیت استوار کرنے کا آرزومند ہوتا ہے اور اسے جب کسی پیکر محسوس کی پرستش پر آمادہ کیا جائے تو وہ لازمی طور پر اپنی زندگی میں ایک خوفناک خلا محسوس کرتا ہے پھر اس کے قلب و دماغ کو یہ دیکھ کر بھی شدید اذیت ہوتی ہے کہ جن لوگوں کو وہ اس جھوٹے خدا کے ترجمان اور اس کے احکام کے شارح قرار دے کر ان کی غیر مشروط اطاعت کے لیے اپنے آپ کو تیار کر رہا ہے وہ بھی اپنے اندر کوئی ایسی روحانی اور اخلاقی کشش نہیں رکھتے جس سے انسان کی روح تسکین حاصل کرے اور اسے یہ محسوس ہو کہ ان مقدس ہستیوں کی پیروی سے وہ اپنے آپ کو ایک روحانی نظام اخلاق سے ہم آہنگ کر رہا ہے۔ جارحانہ قوم پرستی کے ان رہنماؤں کی اطاعت سے ان کی روحیں مجروح ہوتی ہیں کیونکہ انہیں ہر قدم پر یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ جبر و استبداد مکر و فریب، خود غرضی اور دنیا پرستی کی راہ پر گامزن ہیں اور ان کی زندگی لطیف احساسات سے یکسر تہی دامن ہوتی جا رہی ہے اس کے علاوہ قوم یا مملکت کی خدائی کا نقش دلوں پر مستقل طور پر ثبت رکھنے کے لیے اور عوام کو ارباب اختیار کا پرستار بنانے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ان کی حمد و ثنا میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جائیں انہیں ایسی غیر معمولی اور مافوق البشر صفات کا مظہر قرار دیا جائے جن کی بنا پر ان کے اندر الوہیت کی شان پیدا ہو۔ اس احمقانہ اور خطرناک رجحان نے پوری دنیا کی اخلاقی حالت کو جس طرح متاثر کیا ہے وہ سب کے سامنے ہے اور اس سے جو مزید فتنے پیدا ہونے کا امکان ہے ان کا تصور بھی کچھ مشکل نہیں مذہبی احساسات سے محروم ہو کر انسان اپنی انسانیت کو بھی برقرار نہ رکھ سکے گا۔ آپ غور کریں کہ انسان اگر حیوان سے ممیز و ممتاز ہے تو اس کی وجہ یہی تو ہے کہ وہ اخلاقی احساسات رکھنے کی بنا پر اپنی حسی اور مادی خواہشات کو اخلاقی حدود کے کے اندر رہ کر پورا کرتا ہے اور ان احساسات کی وجہ ہی سے وہ مادی سود و زیاں سے بلند تر ہو کر اچھے اور پاکیزہ مقاصد کے حصول کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے اگر انسان کا اخلاقی شعور جو مذہبی احساس کی وجہ سے قائم ہے ختم ہو جائے تو پھر انسان کے اندر لذات اور مادی مفادات سے بلند تر ہو کر سوچنے اور اعلیٰ اخلاقی مقصد کے حصول کی خاطر زندہ رہنے کی کوئی تمنا باقی نہیں رہتی اور انسان زندگی کا وہی نہج اختیار کر لیتا ہے جو حیوانوں کا ہے۔

اخلاقی احساس کی عدم موجودگی میں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ انسانی عمل کا محرک کیا ہے؟ اس کا ایک ہی جواب ممکن ہے کہ جب روحانی اور اخلاقی احساس موجود نہ رہے تو حسی لذت کی تسکین، مادی منفعت کی چاٹ اور نفع عاجلہ کی امید ہی کو عمل کا سب سے بڑا محرک قرار دیا جا سکتا ہے اگر انسان کے اندر کسی بلند روحانی نصب العین کے حصول کی خواہش نہ ہو تو لامحالہ وہ حسی

خواہشات کی تکمیل ہی کے لیئے سرگرم عمل ہوگا انسان کے لاشعور میں مذہب کے بچے کھچے اثرات موجود ہونے کی وجہ سے وہ ابھی تک زندگی کی اُس سطح پر نہیں اُترا جس پر اُسے فی الواقع اُتر جانا چاہیے تھا لیکن اگر مذہب کے خلاف نفرت کا یہی جذبہ پرورش پاتا رہا تو پھر دنیا کی کوئی قوت اسے اس پست سطح پر اترنے سے نہیں بچا سکتی وہ لوگ انسانی فطرت کے بارے میں شدید غلط فہمی میں مبتلا ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ انسان کو مذہب کے بغیر بھی انسانیت کے وسیع تر مفادات کے لیئے ایثار و قربانی پر اُبھار سکتے ہیں یہ لوگ غلطی سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ ایک مخصوص قسم کے نظام تعلیم و تربیت کے ذریعہ عوام کے اندر اجتماعی مفادات کی محبت پیدا کر کے انہیں غیر معمولی ایثار پر آمادہ کر سکیں گے۔ مگر یہ لوگ شاید ایثار کی نفسیاتی کیفیت سے یکسر ناواقف ہیں اگر کوئی انسان اپنے ذاتی مفادات کو وسیع تر مفادات کی خاطر قربان کرتا ہے تو وہ یہ عظیم قربانی بھی روحانی احساس کے تحت کرتا ہے ورنہ حسّی لذات اور مادی خواہشات تو انسان کے اندر خود غرضی اور نفس پرستی کے جذبات پیدا کرتی ہیں انسان کے اندر اجتماعی زندگی کی تشکیل کے لیئے ایثار، بنی نوع انسان سے بے لوث محبت، دوسروں کے دکھ درد میں ان سے تعاون، مصیبت کے وقت ان کی معاونت اور دستگیری، کمزوروں اور بے بسوں پر رحم، یہ سب روحانی احساسات کے مختلف مظاہر ہیں اگر یہ احساسات مٹ جائیں تو پھر انسان خود غرضی اور شقاوتِ قلبی کا پیکر بن جاتا ہے اور اپنے طرز عمل میں درندوں سے بھی زیادہ خونخوار ہو جاتا ہے اس صورت میں کیا کسی تہذیب کا نام و نشان باقی رہ سکتا ہے ؟ اگر اخلاقی حس ناپید ہے تو پھر انسان کو اس بات کی آخر کیا ضرورت ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو قربان کر کے دوسروں کو آرام و سکون فراہم کرنے کا التزام کرے اور کمزوروں اور بے بسوں کو دنیا سے مٹا کر اپنے وسائل میں انہیں شریک ٹھیرائے ؟ سوچیے کہ آخر وہ کون سا جذبہ ہے جس کے تحت نوجوان اپنے بوڑھے والدین کا ہنسی خوشی بوجھ اُٹھاتے ہیں حالانکہ ان سے نفع کی کوئی امید باقی نہیں ہوتی۔ مادی نقطۂ نظر سے تو یہ لوگ خاندان اور معاشرے پر بار ہوتے ہیں اور ان کا سب سے اچھا مصرف یہی ہے کہ ان کے نحیف اور بے کار وجود سے دنیا کو پاک کیا جائے اور ان کے جسموں سے پیداوار بڑھانے کا کام لیا ہے۔

ایک نہیں بہت سے ایسے قواعد و ضوابط جن کی پابندی لادینی عناصر اور معاشرے بھی کرتے ہیں ان کی تہ میں دراصل مذہب کے پیدا کردہ اخلاقی احساسات ہی کار فرما ہوتے ہیں۔ ماں، بہن اور بیٹی سے نکاح کو جو سخت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے تو اس کی وجہ بھی مذہبی احساس ہی ہے ورنہ خالص مادی نقطۂ نظر سے تو اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔ ان رشتوں میں ایک خاص نوعیت کی جو تقدیس پائی جاتی ہے وہ صرف مذہب کی رہینِ منت ہے انسان خواہ زبان سے مذہب کا مخالف اور دشمن ہو مگر اس کے لاشعور میں بہن اور بیوی کے درمیان یا بیوی اور ماں کے درمیان جو ایک واضح امتیاز ہوتا ہے وہ مذہب کا پیدا کردہ ہے خالص حیوانی نقطۂ نظر سے اس تفریق اور امتیاز کا کوئی جواز نہیں۔

آپ غور کریں کہ اگر انسان اپنے حسّی محرکات کے تحت ہی زندگی بسر کر سکتا تھا تو انسان کی ہدایت کے لیئے آخر اتنے لاتعداد انبیاء کیوں بھیجے گئے ؟ کائنات کی ان مقدس ہستیوں کی جد و جہد کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اُن کا کام اگرچہ دنیا کا سب سے سخت ترین اور صبر آزما کام ہے مگر انسانوں کے کرنے کا یہی کام ہے کیونکہ انسانیت کا حقیقی جوہر اسی کام کے ذریعے کھلتا ہے اور اسی جوہر کی بدولت انسان نہ صرف حیوانوں کی سطح سے بلند ہوتا ہے بلکہ اخلاقی اور روحانی رفعتوں میں فرشتوں کو بھی پیچھے چھوڑ جاتا ہے فرشتوں میں تو حیوانیت کا کوئی عنصر سرے سے ہوتا ہی نہیں اس لیئے وہ حسی خواہشات کی لذت سے یکسر محروم

ہوتے ہیں اور اس بنا پہ یہ خواہشات ان کے عمل کا کسی صورت بھی محرک نہیں بن سکتیں۔ انسان کی اصل انسانیت بلکہ اس کی حقیقی عظمت کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ وہ حسی خواہشات اور مادی تمناؤں کی قوت کو اپنے اندر محسوس کرنے کے باوجود انہیں اپنے آپ پر غالب نہ ہونے دے بلکہ انہیں اخلاقی احساسات کا پابند بنا کر تعمیر و ترقی کی راہ پہ لگائے انسانیت درحقیقت انسان کی اپنی حیوانیت پر اس کی اخلاقی حس اور اس کی روح کی فتح کا دوسرا نام ہے اور یہ فتح و کامرانی مذہبی تعلیمات ہی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

مذہب نے اخلاقی احساس کو نہ صرف پیدا کیا ہے بلکہ اس کی پرورش کا بھی انتظام کیا ہے اس احساس کے تحت انسان خاکی ہونے کے باوجود وطن کا پرستار نہیں بنتا بلکہ انسانیت کی وسیع تر برادری سے رشتۂ اخوت استوار کرتا ہے اسی احساس کی بدولت وہ مادی سود و زیاں سے بے پرواہ ہو کر زندگی کے بیشتر معاملات اخلاقی بنیادوں پہ طے کرتا ہے وہ اسی احساس کے تحت والدین کی عزت و تکریم کرتا ہے کمزوروں اور ناداروں پہ دست شفقت رکھتا ہے بے سہارا لوگوں کو سہارا دیتا ہے حالانکہ مادی نقطۂ نظر سے یہ سراسر گھاٹے کے سودے ہیں اسی احساس سے اس کے اندر استغناء، تحمل، بردباری، ایثار جیسی بلند و اعلیٰ صفات پرورش پاتی ہیں پھر یہی احساس اس کے اندر اخلاص اور بے لوثی کی ایسی متاع عظیم پیدا کرتا ہے جس کی رو سے وہ اپنی ساری خدمات اور قربانیوں کے بدلے میں کسی دنیوی فائدے، شہرت یا عزت کا طلبگار نہیں ہوتا بلکہ وہ یہ سارے کام خدا کی رضا جوئی کے مقدس جذبے سے کرتا ہے خدا کی رضا کے لئے جینے اور مرنے کا عزم انسان کی پوری زندگی کو خدا ترسی کا نمونہ بناتی ہے اور انسان زندگی کے ہر چھوٹے بڑے کام کو بڑے اخلاص کے ساتھ سر انجام دیتا ہے اس مقدس جذبہ کی موجودگی انسان کے اندر دورنگی اور منافقت ختم کر دیتی ہے اور انسان سراپا اخلاص بن جاتا ہے۔

مذہب، مذہبی احساسات و معتقدات انسان کی سب سے زیادہ قیمتی متاع ہیں مگر افسوس انسان ان کی اصل قدر و قیمت سے ناآشنا ہوتا جا رہا ہے چونکہ مادی ذرائع و وسائل کی فراوانی نے اس کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے اس لئے وہ اس متاع عزیز سے غافل ہو گیا ہے جس سے اس کی انسانیت وابستہ ہے ہوا اور روشنی ہماری مادی زندگی کے لئے جس قدر ضروری ہیں اس سے سب واقف ہیں مگر ہم ان کی پوری طرح قدر نہیں کرتے کیونکہ یہ ہمیں بغیر کسی تکلیف اور محنت کے میسر آجاتی ہیں اسی طرح مذہب جو انسانیت کا سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ ہے اور جس پر اس کی اخلاقی اور روحانی زندگی کا سارا انحصار ہے ہم اس کی غیر معمولی اہمیت پہچاننے سے قاصر ہیں جس طرح ہوا اور روشنی کی اصل قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب انسان اس سے محروم ہو جائے اسی طرح مذہب کی حقیقی قدر و قیمت کا انسانیت کو اس وقت اندازہ ہوگا جب انسان اس گنج گراں مایہ سے بالکل تہی دست ہو جائے گا۔ اس وقت اسے معلوم ہوگا کہ اس محرومی سے وہ زندگی کے کس پست مقام پہ پہونچ چکا ہے حیوانوں میں تو بعض ایسی جبلتیں موجود ہیں جن کی وجہ سے وہ مل کر زندگی بسر کر لیتے ہیں، مگر انسان میں یہ جبلتیں بڑی کمزور ہیں اور ان کے مقابلے میں خود غرضی کے جذبات زیادہ طاقتور ہیں اس لئے اس کے اندر اگر اخلاقی اور مذہبی احساسات باقی نہ رہے تو وہ درندوں سے بھی زیادہ خونخوار ہوگا۔ خدا وہ دن نہ دکھائے کہ انسان مذہب کے خیر مبیں اور حیات آفریں عنصر سے محروم ہو کر درندہ بن جائے کیونکہ اگر اس مقام پہ

مرزا محمد یعقوب خطیب

قرآن مجید کا طرز استدلال

قرآن شریف میں اثبات عقائد کے لئے عقلی اور نقلی دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ عقلمندوں کو بار بار افلا تعقلون افلا تتذکرون کے خطابات کے ذریعہ غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے ارباب فہم و شعور کے لئے قرآن مجید میں استدلال واستنتاج کے زریں اسباب موجود ہیں۔ مسئلہ توحید اور وقوع قیامت پر ہر قسم کے — عقلی آفاقی وانفسی اور نقلی دلائل کافی تعداد میں اصحاب علم و دانش کو تدبر و تفکر کی طرف توجہ دلا رہے ہیں، بنی نوع انسان میں مختلف طبائع اور مختلف ذہن و دماغ کے لوگ ہوتے ہیں۔ بعض حضرات سریع الفہم، سلیم القلب ہر بات کی تہ تک پہنچنے والے قیل و قال چون وچرا سے اجتناب کرنے والے اور کلمہ حق کو فوراً قبول کرنے والے ہوتے ہیں جیسا کہ ایک حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما عرضت الاسلام علی احد الا کانت له کبوة و ترددا و الا ابا بکر فانه لم یتوقف فی قبول ایمانه یعنی میں نے جس شخص کے سامنے اسلام پیش کیا ان میں سے بعض نے تردد و شک کیا بعض نے سوچنے کے لئے مہلت چاہی، بعض کبیدہ خاطر ہو گئے لیکن ایک حضرت ابوبکرؓ ایسی سریع الفہم شخصیت ہیں کہ جب میں نے ان کے سامنے اسلام کا کلمہ پیش کیا تو انہوں نے بلا توقف دعوت ایمان قبول کر لی اور فوراً حلقہ ایمان میں داخل ہو گئے۔

بعض لوگ دلائل نقلی کے طلبگار ہوتے ہیں اور بعض افراد عقلی دلائل کے خواہاں ہوتے ہیں یہ بات ہمارے روزمرہ کے مشاہدہ و تجربہ میں موجود ہے کہ جب ایک عالم دین کوئی نیا مسئلہ پیش کرتا ہے تو کچھ سامعین کہتے ہیں کہ مولانا اس مسئلے کے بارے میں کسی اور معروف مستند عالم دین کا حوالہ پیش فرمایئے یا کسی معتبر کتاب کی شہادت لایئے۔ چنانچہ مقرر و مبلغ کے پاس اگر کسی بزرگ عالم کے قول کا حوالہ یا کسی مسلمہ کتاب کی موید عبارت موجود ہو تو وہ اسے پیش کر دیتا ہے ورنہ اسے تاویلات سے کام لینا پڑتا ہے اور اس صورت میں ہٹ دھرمی اور پشیمانی کے مراحل پیش آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس قسم کے لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے کثرت سے نقلی دلائل پیش فرمائے ہیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے سامنے لا الہ الا اللہ کا کلمہ پیش کیا تو انہوں نے کہا ما سمعنا بھذا فی الملة الآخرة ان ھذا الا اختلاق ہم نے یہ بات سابقہ گذشتہ ملتوں میں نہیں سنی یہ من گھڑت بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں انبیاء سابقین کے خطبات و مواعظ بیان فرماتے ایک ایک پیغمبر کا نام لے کر فرمایا کہ ہم نے حضرت نوحؑ کو مبعوث فرمایا حضرت نوحؑ نے بھی وہی بات اپنی قوم کے سامنے پیش کی جو حضرت محمد رسول اللہ نے اپنی قوم کے سامنے پیش فرمائی۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کا اجمالی طور پر یوں ذکر فرمایا وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الٰہ الا انا فاعبدون یعنی اے رسول! ہم نے تجھ سے پہلے جو انبیاء مبعوث فرمائے سب کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس عبادت صرف میری ہی کرو! یہ ہے دلیل نقلی اجمالی، لیکن اجمالی دلائل پر اکتفا کرنے والے بہت کم تعداد میں ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ دلائل نقلی پیش فرمائے حضرت نوح ؑ سے شروع ہو کر حضرت مسیح علیہ السلام تک درمیان کے اکثر انبیاء کی مشترکہ دعوت اور اس کا ردعمل پوری وضاحت سے بیان فرما دیا۔ فہم قرآن کے لیے ان دلائل کا علم طالب علم کے لئے بہت ضروری ہے۔ حضرت نوح ؑ کے بعد حضرت ہود علیہ السلام کا واقعہ بطور دلیل نقلی بیان فرمایا۔ پھر حضرت صالح ؑ کے وعظ اور قوم ثمود کے انکار و انجام کا مفصل ذکر کیا۔ حضرت خطیب الانبیاء شعیب علیہ السلام کی تبلیغ اور ان کی سرمایہ دار تاجر قوم کی تکذیب کی عبرت آموز اور دردناک کہانی اسی سلسلہ دلائل کی ایک بصیرت افروز کڑی ہے۔ اہل مکہ کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جرأت مندانہ خطبات و مواعظ وضاحت سے مذکور ہوئے، اہل مکہ اپنے آپ کو اولاد ابراہیم و اسماعیل سمجھتے تھے اور اس نسب پہ فخر و غرور کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم کے قصہ سے اہل مکہ کو بالخصوص اور یہود و نصاریٰ کو بالعموم توجہ دلائی جا رہی ہے کہ تمہارے دادا حضرت ابراہیم تو بت شکن تھے اور تم بت پرست ہو اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو حضرت ابراہیم کی تقلید کرو اور بت پرستی سے تائب ہو کر داعی حق حضرت محمد رسول اللہ ؐ کی پیروی کرو کیونکہ اس وقت ابراہیم کے مسلک پر حضور کریم ؐ اور ان کے صحابہؓ ہیں۔ الغرض انبیاء علیہم السلام کے واقعات دلائل نقلی ہیں۔ دلیل نقلی کی دوسری قسم اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی مقدس کتابوں کی وہ عبارات ہیں جو مسئلہ توحید کی موید و مصدق ہیں، بطور حوالہ پیش کی گئیں سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وآتینا موسی الکتاب وجعلنٰہ ھدی لبنی اسرائیل ان لا تتخذوا من دونی وکیلا۔ ہم نے حضرت موسیٰ ؑ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا اور اس کتاب کا مضمون یہ تھا کہ میرے سوا کسی اور کو کارساز مت بناؤ، توریت اور انجیل کے حوالے دیکر اہل کتاب کو توجہ دلائی گئی ہے کہ اے اہل کتاب! قرآن مجید اور حضرت محمد رسول اللہ ؐ کوئی نئی بات نہیں کہہ رہے ہیں اپنی کتابیں لاؤ اور انہیں دیکھو اور پڑھو اگر تم سچے ہو تمہاری کتابوں میں تو حضرت محمد رسول اللہ ؐ اور ان کے صحابہ کرام ؓ کے صفات و اخلاق درج ہیں!

دلیل نقلی کی تیسری قسم علماء حاضر کا اعتراف و اشرار اور انقیاد و اطاعت ہے جب حضور ؐ مدینہ منورہ کے لئے ہجرت فرمائی اور وہاں قیام پذیر ہو گئے تو یہودیوں کے مشہور و معروف متبحر عالم اور حافظ توریت حضرت عبداللہ بن سلام جو تمام یہودیوں کی نگاہ میں باوقار و محترم تھے۔ ایک روز حضور ؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور حضور ؐ کے چہرۂ انور پر نظر ڈالتے ہی پہچان گئے کہ واقعی یہ وہی رسول ہیں جن کی خبر ہماری کتابوں میں موجود ہے۔ حضور ؐ سے مکالمہ کے بعد انہوں نے اسلام قبول کیا اور گزارش کی یا رسول اللہ آپ میرے چند ہم مسلک و ہم مذہب اشخاص کو طلب فرمائیں اور ان سے میرے علم اور میری شخصیت کے بارے میں دریافت فرمائیں پھر میں ان کے روبرو اسلام کی تصدیق کروں گا ممکن ہے میری وجہ سے ان کو بھی ہدایت نصیب ہو جائے ورنہ اتمام حجت تو ہو جائے گی۔ چنانچہ نبی کریم ؐ نے چند معروف یہودیوں کو بلا بھیجا جب یہ لوگ آ گئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے دریافت فرمایا کہ "عبداللہ بن سلام کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے! سب نے بالاتفاق جواب دیا کہ وہ ہمارا سردار، بہت بڑا عالم ہے اور اس کا باپ بھی عالم و سردار تھا۔ الغرض یہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اے اہل کتاب! اگر وہ میری نبوت و رسالت کی تصدیق کرے۔ تو کیا تم اس کی پیروی کرو گے؟" کہنے لگے "یہ کبھی ہو نہیں سکتا کہ وہ آپ کی تصدیق کرے۔" حضرت عبداللہ بن سلام جو ایک گوشہ میں چھپ کر بیٹھے تھے۔ نکل آئے اور اعلان کیا کہ اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمد رسول اللّٰہ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد رسول اللہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، پھر اپنے ہم مذہب لوگوں سے کہا کہ اے اہل کتاب! میں اور دیگر علمائے کرام تمہیں خوشخبری دیتے رہے کہ عنقریب سرزمین حجاز میں حضرت اسمٰعیلؑ کے خاندان سے آخر الزماں نبی مبعوث ہونے والے ہیں، لہٰذا محمدؐ ہی وہ رسول ہیں، میں نے شہادت دے دی اور تم بھی تصدیق کرو، وہ یہودی یہ سُن کر غضبناک ہو کر بولے "اے عبداللہ! تو جاہل، تیرا باپ جاہل، اس مسئلہ میں ہم تیری پیروی ہرگز نہ کریں گے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا" الذین اتینٰھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم "کہ جن کو ہم نے کتاب دے رکھی ہے وہ نبی کریمؐ کو یوں پہچان جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانا جاتا ہے۔ سورہ بقرہ میں وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا "فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ" یعنی اہل کتاب قبل از بعثت نبی آخر الزماں کافروں کے بالمقابل فتح طلب کرتے تھے اور دعا مانگا کرتے تھے اے اللہ! ہمیں مشرکوں پر فتح نصیب فرما، ہم تیرے آخر الزماں نبی پر ایمان لائیں گے اور ان کی معیت و رفاقت میں ہو کر مشرکوں سے جہاد کریں گے پس جب وہ رسول تشریف لے آیا جسے انہوں نے پہچان بھی لیا لیکن جن علمائے سابقین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر ان کی زبانِ مبارک سے دعویٰ توحید سُن کر ایمان قبول کیا اللہ تعالیٰ ایسے علماء کی تعریف فرماتا ہے۔ اس قسم کی متعدد آیات قرآن مجید میں موجود ہیں جن کا نام استدلال کی زبان میں دلائل نقلی ہے۔

چوتھی قسم دلائل نقلی کی کسی دوسری مخلوق سے دلیل کا متعلق ہونا ہے یعنی دعویٔ توحید جب ناری مخلوق جنات کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے بلا تامل مان لیا۔ سورۃ جن اور سورۃ احقاف میں جنات کے ایمان لانے کا واقعہ موجود ہے۔ بنی نوع انسان کے لئے جنوں کا ایمان بطور دلیل نقلی سنایا گیا کہ اے انسانو! تم افضل المخلوق اور عقلمند ہونے کے باوجود مسئلہ توحید کا انکار کر رہے ہو حالانکہ تم سے کمتر مخلوق جنات نے جونہی نبی کریمؐ کی زبان مبارک سے قرآن مجید سنا ایمان لے آئے اور شرک و کفر سے توبہ کی، یہ نقلی دلائل کی چار اقسام ہیں۔ تقلیدی ذہن والوں کے لئے اس قسم کا طرز استدلال بہت مفید ثابت ہوتا ہے آباؤ اجداد کے متبعین علمائے سابقین کے مقلدین کتب سابقہ کے مومنین جب ما سمعنا بھٰذا فی یا تتبع ما الفینا علیہ آباءنا جیسے غیر معقول عذرات پیش کریں تو اس نوع کے لوگوں کے لئے مذکورہ بالا طرز استدلال اتمام حجت ہے! جو لوگ نقل کے مقابلہ میں عقل کو ترجیح دیتے ہیں اُن کے لئے قرآن کریم میں عقلی دلائل بیان کئے گئے ہیں اور زمین و آسمان کی ساخت، سورج کے طلوع و غروب اور مناظر فطرت سے عقلی دلیلیں لائی گئی ہیں کہ ان کا کوئی نہ کوئی خالق ضرور ہے اور دنیا کا کارخانہ آپ ہی آپ نہیں چل رہا ہے اس کا کوئی چلانے والا ہے اور وہ ذات اللہ تعالیٰ کی ہے، پس اللہ تعالیٰ کا اقرار عقل و نقل اور فطرت کے عین مطابق ہے!

ڈاکٹر قیوم جاوید

کمیونزم اور اسلام

پاکستان کے مذہبی رہنماؤں نے سلامتی پسند مسلمانوں کو کمیونزم کی مضرتوں سے جو خبردار کیا ہے پاکستانی علماء کے اس پیغام پر ماسکو ریڈیو نے ۱۱ مارچ کو اپنے اس نشریئے میں جو جنوبی ایشیا کے لئے مخصوص ہے، زبردست حملہ کیا ہے اور اس کا رد بھی کیا ہے اس نشریئے میں کہا گیا ہے کہ "جب سے سائنٹفک سوشلزم کا فروغ ہوا ہے ہر قسم کے رجعت پسند اسے خطرے کی گھنٹی قرار دیتے رہے ہیں"، اس کے بعد نشریئے نے سوویٹ وسطی ایشیا کے مسلمانوں کی ترقیات کا ذکر کیا ہے اور انہیں سوشلزم کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ اپنے اس دعوے کی تائید میں کہ کمیونزم مذہبی آزادی کا مخالف نہیں، لینن کے اس پیغام کا ذکر کیا گیا ہے جو اس نے مسلمانوں کے نام جاری کیا تھا اور جس میں ان سے کہا تھا کہ وہ بغیر کسی رکاوٹ کے اپنے مذہب پر عمل کر سکتے ہیں۔ لیکن لینن نے ۱۹۰۵ء میں یہ بھی کہا تھا کہ کہ "مذہب عوام کی افیون ہے" ۱۹۱۳ء میں لینن نے گورکی کو جو خط لکھا تھا وہ مذہب کے خلاف جذبات سے بھرا ہوا ہے اپنے اس خط میں اس نے لکھا تھا کہ خدا کے تصور نے سماجی احساسات کو ہمیشہ خوابیدہ رکھا ہے اور انہیں کند کیا ہے، خدا کا تصور زندوں پر مردوں کو ترجیح دیتا ہے، یہ غلامی کا تصور ہے اس نے ہمیشہ مجبور عوام کو اس عقیدے کے ساتھ باندھے رکھا کہ جابر روحانی کردار کے مالک ہیں"۔ لینن نے مزید لکھا تھا کہ خدا کے تصور کا حقیقی مفہوم "غلاظت، تعصبات، جہالت کی پرستش اور مخبوط الحواسی" پر مشتمل ہے۔ "اس کے ایک ہاتھ میں غلامی ہے اور دوسرے میں تباہی"۔

مذہب کے خلاف جہاد کمیونسٹوں کے لئے ایک ایسا فریضہ ہے جس سے کوئی مفر نہیں۔ لینن حکم صادر کرتا ہے "جہاں تک سوشلسٹ پرولتاری پارٹی کا تعلق ہے مذہب ایک نجی معاملہ ہرگز نہیں، ہماری پارٹی ذی شعور اور محنت کش طبقہ کی نجات کے لیے لڑنے والے ممتاز مجاہدوں کی لیگ ہے۔ اس قسم کی لیگ مذہبی اعتقادات کی شکل میں جہالت، ظلمت کیشی اور شعور کی کمی سے نہ تو غفلت برت سکتی ہے اور نہ اسے برتنی چاہیے"۔

ماسکو ریڈیو نے جنوبی ایشیا کو جو یقین دہانی کی ہے اس کی تردید ان سوویٹ تحریروں سے بھی ہوتی ہے جو صرف سوویٹ یونین کے لیے مخصوص ہیں۔ ایک نظریاتی جریدے "سیاسی خود تعلیمی" نے اپنی اکتوبر ۱۹۶۹ء کی اشاعت میں دعویٰ کیا کہ اگر اسلام کو جدید بنایا جا رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اب اس مذہب کے

خلاف نظریاتی جنگ کی ضرورت نہیں رہی۔ اسلام پر اس میگزین کے "ذلیل حملوں" کا ذکر پاکستانی ہفت روزہ "بکٹوریل" نے اپنی ۲۵ مارچ ۱۹۷۰ء کی اشاعت میں کیا تھا اور لکھا تھا کہ "سیاسی خود تعلیمی" کے مضمون میں قرآن کی تحریف کی گئی ہے اور اسلامی احکام کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے۔

سوویٹ روس کے ایک اور نظریاتی جریدے "سائنس اور مذہب" نے اپنی اکتوبر ۱۹۶۵ء کی اشاعت میں ایل۔ آئی۔ کریموویچ کا ایک مضمون شائع کیا تھا جس کا عنوان تھا "اسلام کا رجعت پسند جوہر" اس مضمون میں کہا گیا تھا کہ "اسلام کی موجودہ تعلیمات اور اس کی سابقہ تاریخ، دونوں ہی یہ یقین دلانے کو کافی ہیں کہ اسلام نے جو اخلاقی اصول وضع کئے ہیں، وہ حقیقی انسان دوستی، کامریڈشپ، اخوت اور کمیونسٹ ضابطۂ اخلاق کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتے۔" اس جریدے کے اس شمارے میں یہ بھی درج تھا کہ نئی سوویٹ فلم "صداقت اسلام کے سائنس دشمن مفہوم کو نمایاں کرتی ہے اور اس کے سماجی اور اخلاقی آویزشوں اور تعلیمات کی خطرناکی کو بے نقاب کرتی ہے۔" ۱۹۶۳ء میں روس میں ایک کتاب شائع ہوئی تھی۔ مصنف کا نام ایس۔ ایم۔ گڈ زہیلو تھا اور کتاب کا نام تھا "اسلام کے نظریے کو شکست دینا" اس میں اعلان کیا گیا تھا کہ کمیونزم کے تصورات اسلام کی تعلیمات کی تردید کرتے ہیں اور قرآن کے اخلاقی نظریوں کے خلاف ہیں۔"

اسلام کے خلاف سوویٹ کمیونسٹوں کی کچھ دلیلیں جنوبی اسلام دشمنوں کی دلیلوں کے بالکل مشابہ ہیں۔ مثال کے طور پر ایک سوویٹ ماہر نظریہ کلیمو وچ نے "قزل ازبکستان" کی ۲۹ مئی ۱۹۶۹ء کی اشاعت میں لکھا تھا کہ اسلام "ایک غیر ملکی مذہب ہے جسے وسطی ایشیا اور ماورائے کاکیشیا کے علاقوں کے عوام پر تلوار اور بندوق کے ذریعہ مسلط کیا گیا۔ صدیوں تک اسلام سامراج کا خادم رہا ہے۔ پہلے عربوں کے سامراج کا، پھر افغانوں کے سامراج کا اور ہمارے زمانے میں برطانیہ اور امریکہ کے سامراج کا۔"

لیکن جیسا کہ ماسکو ریڈیو کے محولہ بالا نشریئے سے بھی ظاہر ہوتا ہے، روسی کمیونسٹوں کی کچھ سیاسی مصلحتیں ایسی ضرور ہیں جو انہیں مجبور کرتی ہیں کہ دوسرے ملکوں میں وہ اپنی اسلام دشمنی کی پردہ پوشی کریں۔ ایک تازہ کتاب میں جو یو۔ ایس۔ ایس۔ آر۔ اکاڈمی آف سائنسز اور ینٹل انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل ورکرز موومنٹ کے زیر اہتمام "ایشیا اور شمالی امریکہ کے ملکوں کی مزدور تحریک کا موجودہ مرحلہ" کے نام سے شائع ہوئی ہے کہا گیا ہے کہ بعض ملکوں مثلاً مصر، الجیریا اور برما میں جہاں کسانوں اور نیم پرولتاری عناصر میں مذہبی عقائد کا اثر بہت زیادہ ہے، حکمت عملی کا تقاضا یہی ہے کہ کمیونسٹ کارکن جب سوشلزم کی تحریک کو آگے بڑھانے میں کوشاں ہوں تو کمیونزم کے اصولوں اور اسلام اور بدھ ازم کے نظریات میں تطابق پیدا کریں۔

فاران: چین ہو، روس ہو، امریکہ ہو، یا دوسری بیرونی طاقتیں ہوں ان سے پاکستان کے سیاسی اور تجارتی روابط قائم ہو سکتے ہیں کیونکہ تمدن و تہذیب کے اس بین الاقوامی دور میں کوئی ملک تمام دنیا سے کٹ کر نہیں رہ سکتا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے معاہدے کئے ہیں! بیرونی حکومتوں کے ساتھی تجربوں سے بھی ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں، یہ حکومتیں پاکستان کی، حلیف بھی بن سکتی ہیں، پاک و ہند کی جنگ میں چین کا جو ہمدردانہ موقف رہا اس کے ہم پاکستانی شکر گزار ہیں۔

نگراں بین الاقوامی تعلقات میں اس بات کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ پاکستان کا ہر معاہدہ ایک خود مختار آزاد حکومت کی حیثیت سے برابر کی سطح پر ہونا چاہیے اور سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ بیرونی طاقتوں سے ہم اسلحہ، مشینری، پرزے، غلہ اور ضرورت کا دوسرا سامان تو لے سکتے ہیں اور ان کے انجینروں، فن کاروں اور مکتشفین (EXPLORERS) کی خدمات اور قابلیتوں سے فائدہ بھی اٹھا سکتے ہیں مگر ان حکومتوں کے "نظریے" قبول نہیں کر سکتے!

"کمیونزم اور سوشلزم اسلام کے مخالف ہیں" — اس باب میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں، اس لیے جو ممالک سوشلزم اور کمیونزم کا عقیدہ رکھتے ہیں ان سے ہمارے تعلقات کی نوعیت ایسی ہونی چاہیے کہ پاکستان مادی فائدہ بھی حاصل کر لے اور سوشلزم اور کمیونزم پاکستان پر اثر انداز بھی نہ ہونے پائیں! بین الاقوامی تعلقات کو نباہنے میں بڑی فراست، جرأت، دانشمندی اور ایمانی غیرت کی ضرورت ہے، اگر بیرونی ممالک کی امداد اور معاونت نے ہمارے دینی نظریوں اور اخلاقی قدروں کو متاثر کر دیا تو یہ خسارے کی تجارت اور ہمارے لیے نقصان و مضرت کی باعث ہوگی!

ملّا واحدی

السّلام علیکم

سلام کرنے کی رسم دنیا کے گوشے گوشے میں رائج ہے۔ دیہات اور شہر، ہر جگہ سلام کیا جاتا ہے، عورت، مرد، بچے، بوڑھے، سب سلام کرتے ہیں۔ سلام کی تعلیم مذاہب نے دی ہے جیسا کہ "جے رام جی کی" یا "گڈ مارننگ" اور "گڈ ایوننگ" وغیرہ سلاموں سے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن گڈ ایوننگ اور گڈ مارننگ ایسے لوگوں کو کہتے بھی سنا ہے جو خدا کے قائل نہیں ہیں۔ خدا معلوم وہ کس سے توقع رکھتے ہیں کہ صبح اور شام اچھی گزروائے گا۔

ہندوستان میں البتہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے آپس کے سلام کے لئے "آداب عرض ہے"۔ "تسلیمات عرض ہے"۔ "کورنش بجالاتا ہوں" قسم کے سلام نکل آئے تھے، جنہیں شاید اب بھی استعمال کیا جاتا ہو، اور جنہیں منکرینِ خدا بھی استعمال کرتے ہیں۔ لیکن ہندوستان کے علاوہ غالباً اور کہیں منکرینِ خدا کے مطلب کا سلام نہیں ہے۔ سب کو خدا ہی سے کچھ نہ کچھ دعا مانگنی پڑتی ہے

؎ کافر نتوانی شد ناچار مسلماں شو

سلام علیکم یا السلام علیکم خالص اسلامی سلام ہے۔ مسلمان کی پہلی پہچان سلام ہے، مختلف ملکوں کے مسلمان مختلف لباس پہنتے ہیں۔ ڈاڑھی مونچھیں اب عموماً نہیں رکھی جاتیں۔ نماز ہر وقت کون پڑھتا ہے کہ اُس سے پہچان لیا جائے۔ لے دے کے یہی السلام علیکم ہے، جس سے فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ سلام کرنے والا مسلمان ہے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں اور بے شمار باتیں تمیز کی سکھائی ہیں، وہاں سلام پر بھی بڑا زور دیا ہے کوئی شخص بغیر سلام کئے حضورؐ کے سامنے آ بیٹھتا تھا تو حضورؐ اُس سے فرماتے تھے کہ باہر جاؤ اور سلام کرتے ہوئے اندر آؤ۔

سلام کے جواب میں بھی سلام کیا جاتا ہے۔ "جے رام جی" کا جواب ہے "جے رام جی" اور "گڈ مارننگ" کا گڈ مارننگ" لیکن السلام علیکم کا جواب ہے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

اسلام کی ہدایت ہے کہ سلام کا جواب اضافے کے ساتھ دو۔ تم انکم رحمۃ اللہ بڑھاؤ اور اچھا ہے کہ برکاتہ بھی کہو۔ کتنے خوش نصیب تھے وہ مسلمان جن کے سلام کے جواب میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ارشاد کے مطابق "علیکم السلام و رحمۃ اللہ وبرکاتہ" فرماتے تھے۔

سلام علیکم کے معنی ہیں اللہ تم پر سلامتی کرے۔ تمہیں کوئی پریشانی اور کلفت لاحق نہ ہو۔ جواب کا مطلب ہے کہ تم بھی امن چین سے رہو، اور اللہ کی رحمت اور دیگر برکات تم پر نازل ہوں۔

سلام کرتے وقت اور سلام کا جواب دیتے وقت جس کا چہرہ زیادہ بشاش ہوتا ہے یعنی جو زیادہ خوش ہوکر سلام کرتا ہے یا سلام کا جواب دیتا ہے اُسے زیادہ ثواب ملتا ہے۔ چہرے کی بشاشت کے معنی یہ ہیں کہ محض رسم ادا نہیں کی جارہی دعا دل سے نکل رہی ہے فریقین چاہتے ہیں کہ ہمارا بھائی پھلے پھولے۔ اور فریقین بوقت ضرورت ایک دوسرے کی مدد پر آمادہ ہیں۔

سلام کو اور سلام کے جواب کو پتھر کی طرح نہیں دے مارنا چاہئے۔ سلام کا استعمال اپنے لہجہ میں نرمی کے ساتھ ملاقات کے وقت کیا جاتا ہے مسلمان کی ملاقات محبت کے ساتھ ہونی چاہئے۔

ثواب ثاب سے مشتق ہے۔ ثاب کے معنی ہیں "واپس آجانا" جو کچھ گیا ہو اُس کا واپس مل جانا آپ نے علی الصبح دو تین میل کا چکر لگایا اُس میں تھوڑی سی طاقت صرف ہوئی۔ تھوڑا سا وقت دیا گیا۔ مگر بدلے میں صحت اور شگفتگی مل گئی۔ یہی ثواب ہے۔ لہٰذا سلام اس طرح کیجئے اور سلام کا جواب اس طرح دیجئے کہ آپ کا عمل نتیجہ خیز رہے عمل ضائع اور بے کار نہ جائے آپ ثواب کو، یعنی اپنے عمل کے نتیجے کو حاصل ہوتا محسوس کریں۔

نتیجہ ہر عمل کا دنیا میں بھی نکلتا ہے اور نتیجہ مکمل شان سے عقبیٰ میں بھی ظاہر ہوگا۔ اسلام نے ثواب الدنیا اور ثواب الاخرۃ دونوں کے نام لئے ہیں ؎

از مکافاتِ عمل غافل مشو

بے پڑھے لکھے تو بہر حال بے پڑھے لکھے ہیں، بعض پڑھے لکھے (تعلیم یافتہ، ایم۔ اے، بی اے) السلام علیکم کو اسلام وعلیکم لکھتے ہیں۔ سیم کے پیش کو واو سمجھتے ہیں اور السلام کے ہجے غلط کرتے ہیں یا الف لام دونوں اڑا دیتے۔ خالی لام اُڑانا مکروہ غلطی ہے۔ نیز سلام کرتے وقت ماتھے پر یا سینے پر ہاتھ دھرنے یا گردن جھکانے کا اسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے اور سلام علیکم زبان سے نہ کہنا اور کئی کئی دفعہ رکوع کے مانند جھک کر ہاتھ ماتھے پرلے جانا تو قطعی ایجاد بندہ ہے۔

بعض صاحبان خطوط میں صرف "سلام مسنون" یا "سلام ورحمتہ" یا "سلام نیاز" لکھ دیتے ہیں۔ معلوم نہیں السلام علیکم لکھنا انہیں کیوں دشوار معلوم ہوتا ہے، جو "سلام مسنون" لکھ کر اُس کی طرف صرف اشارہ کرتے ہیں حروف تو دونوں میں قریباً برابر ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی بجائے ۷۸۶ لکھنا بھی مجھے اچھا نہیں لگتا۔ میں کم از کم لکھتا ہوں تو "بسم اللہ" لکھتا ہوں۔ ۷۸۶ لکھنا مدت دراز سے چھوڑ دیا ہے اور جو صاحب مجھے سلام مسنون، سلام ورحمتہ وغیرہ لکھتے ہیں اُنہیں جواب میں علیکم السلام و رحمتہ اللہ وبرکاتہ نہیں لکھتا۔ اپنا خط "السلام علیکم" سے شروع کرتا ہوں۔ علیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ السلام علیکم کا جواب ہے۔ سلام مسنون یا سلام ورحمتہ وغیرہ کا جواب نہیں ہے۔

اسی طرح ایک زمانے سے میں نے حضرت کا لفظ صرف انبیاء اور صحابہ کرام کے واسطے مخصوص کر رکھا ہے۔ سرور انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے حضور کا لفظ استعمال کرتا ہوں انسانوں میں اور کوئی میرا "حضور" نہیں ہے جس طرح حضور کے واسطے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخصوص ہے اور دیگر انبیاء کے واسطے علیہ السلام اور صحابہ کے واسطے رضی اللہ عنہ اور

باقی بزرگانِ دین کے واسطے رحمۃ اللہ علیہ، اسی طرح حضرت کا لفظ بھی میرے نزدیک عام نہیں ہونا چاہیے یوں تو نظام دکن اعلیٰ حضرت کہلاتے تھے۔ میں اب خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کے اسم مبارک سے پہلے بھی سلطان المشائخ تو لکھ سکتا ہوں مگر انہیں حضرات صحابہ کرام کی صف میں نہیں بٹھا سکتا۔ فرقِ مراتب ضرور ملحوظ رہنا چاہیے۔ مفتی کفایت اللہ صاحب کو میں نے پچاس برس بہت قریب سے دیکھا وہ علم و فضل، عقل و دانش اور انسانیت و مسلمانیت کا ایک نمونہ تھے۔ اُن کے لئے یا اُن جیسے لوگوں کے لئے میرے پاس "جناب" کا لفظ موجود ہے۔ خواجہ حسن نظامی میرے پیر تھے، اُن کے لئے "سیدی" اکثر میرے قلم سے نکلتا ہے، حضرت لکھنے میں کبھی بڑا انقباض تھا، مگر اب نہیں ہوں۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور امام حسن بصری میں کچھ تو فرق تھا۔ صحابی کا درجہ دیجیے اور تابعی کو تابعی کا۔ بزرگی سے کسی کی انکار نہیں ہے۔ ہم مرتبہ ہونے سے انکار ہے۔

مجھے بھی لوگ مولوی اور مولانا اور حضرت لکھتے اور چھاپتے ہیں۔ میں "ملا" ہوں۔ ہاں "ملاں" نہیں ہوں نہ کسی کو اُس کی حیثیت سے بڑھائیے نہ کسی کو اُس کی حیثیت سے گرائیے۔

ذرا سورہ ۲ کی ۲۸۶ ویں آیت نکالیے اور اُس میں انت مولٰینا کے نیچے لکھا ہوا ترجمہ پڑھیے، شیخ الہند مولوی محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کیا ہے "تو ہی ہمارا رب ہے" تو مولٰینا تو اللہ تعالیٰ رہا ممکن ہے مولٰینا کو مولانا لکھنے سے مطلب بدل جاتا ہو علماء ایک دوسرے کو مولانا لکھتے ہیں؟ اور عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر ہے ؎

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

پھر بھی احتیاط بہتر ہے مولانا کی نسبت علامہ لکھنے میں کچھ حرج نہیں۔

ریاست حیدر آباد میں مولوی کا لفظ لگائے بغیر کسی کا نام نہیں لیا جاتا تھا جب تک حکومت حیدر آباد یا حکومت ہند خطاب نہیں دے دیتی تھی تب تک لوگوں کی طرف سے اُسے مولوی کا خطاب ملا رہتا تھا۔ مولوی کی یہ ارزانی بھی عجیب تھی۔

مولوی اور مولانا کے الفاظ کب سے شروع ہوئے اس کا مجھے علم نہیں ہے البتہ اتنا جانتا ہوں کہ ابتدائی صدیوں میں امام فقہ، امام حدیث، امام فلاں فن تو تھے مولوی اور مولانا نہیں تھے۔ بزرگانِ سلف میں جو امام نہیں کہلاتے تھے وہ شیخ کہلاتے تھے۔ جیسے شیخ سعدیؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ نظام الدین اولیاؒ۔

خواجہ کا لفظ بھی بعد میں چلا ہے اور ملا جامی سے پہلے ملا بھی غالباً کوئی مشہور نہیں ہوا۔ لیکن خیر احتیاط کی ضرورت میرے نزدیک مولانا کا لفظ استعمال کرنے میں ہے احتیاط کی ضرورت کا احساس مجھے پہلے نہیں تھا سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک میں لفظ مولانا استعمال نہیں کیا جاتا کیونکہ مولٰینا تو اللہ ہے۔ قرآن مجید کو دیکھا تو واقعی اللہ کو مولٰینا پایا۔ لیکن اب بھی میں فقط احتیاط کے لیے کہہ رہا ہوں قطعی فیصلہ علماء ہی کر سکتے ہیں لفظ حضرت کی بابت بھی علماء فیصلہ کر دیں میں علماء کے فیصلے کو بے تامل مانوں گا جس طرح مولوی محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے کو اس وقت مان رہا ہوں اوپر جو کچھ بھی لکھا ہے نیک نیتی سے لکھا ہے۔ ملتجی ہوں کہ میری رہبری کی جائے سرکشی ہرگز میرا شیوہ نہیں ہے غلطی محسوس ہو جائے تو اُس سے بچنے کی بے تاب عادت ہے لیکن غلطی بھی غلط محسوس ہو سکتی ہے اس لیے رہنمائی کا طلبگار ہوں

ڈاکٹر محمد عبد الحمید بیگ

وہ سجدہ

وہی خدائے تعالیٰ کی ہے فقط اک ذات
کہ جس کے ہاتھ میں عالم کی ہے حیات و ممات

نہ عقل کی یہ رسائی جو کر سکے ادراک
نہ ذہن میں یہ صفائی کہ پائے کنہ ذات

وجودِ نقش ہے نقاش کی دلیل اگر
یہ کائنات نہ کیونکر بنے دلیلِ ذات

وہ عقل خود بھی ہے محتاجِ کن فکاں، وہ بت
سمجھ لیا ہے جسے تو نے قبلۂ حاجات

کہیں تراش لیا ہے ہبل بہ نام وطن
کہیں بنائے ہیں نان و شکم کے لات و منات

کہیں ہے قوم پرستی کہیں وطن پوجا
بنا لیا ہے کہیں زر کو قاضی الحاجات

مدارِ ارض و قمر تو نہیں تری منزل
اگر ہے عقل سفر کر سوئے مدارِ نجات

کٹی ہے لہو و لعب میں یہ ساری عمر عزیز
ابھی تو وقت ہے ہاں! کر تلافیٔ مافات

خدا کرے اب ذہنِ رسا میں آ جائے
کہی ہے شاعرِ مشرق نے کتنی سچی بات

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات (علامہ اقبالؒ)

درست ہے کہ یہ دنیا ہے عالمِ اسباب
مگر سبب ہے بدستِ مسبب الاسباب

مدارِ عزتِ انساں ہے حرف "اتقٰکم"
نہ قوم ہے نہ وطن اور نہ فخر بالانساب

یہی ہے مرگِ یقینی اور یہی ہے روح کی موت
بھرا ہے جامِ مئے مغربی میں جو زہراب

چہ حاصل است اگر نفس تو نہ شد تسخیر
کمند سعی زنی بر ستارہ و مہتاب

کبھی ہوا تھی مسخر ترے اشارے کی
کبھی ہوا تھا سمندر ترے لیے پایاب

یقین و غیرتِ دیں صبر و جرأتِ ایماں
یہ جنس آج ہے دنیا میں کس قدر کمیاب

قدم جما کہ یہی وقتِ استقامت ہے
تجھے بہا کے نہ لے جائے مغربی سیلاب

وہ جس سے تیری سیادت کا تھا بھرم قائم
تلاش کر کہ کہاں ہے وہ گوہرِ نایاب

وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب (علامہ اقبالؒ)

شعلہ و شبنم

میر بشیر (بی۔ اے) لندن

وہ رات جب سے مجھے تیرا انتظار نہیں
کسی امید و تمنا کا شرمسار نہیں

متاعِ سجدہ، خشوعِ دعا، فغانِ نیم شبی
وفا شعار کو یہ بھی تو سازگار نہیں

جدا جدا ہے نصیبہ ہر ایک انساں کا
خدا کی دین پہ بندوں کا اختیار نہیں

جو کچھ بھی کرنا ہے کرلو کہ دمِ غنیمت ہے
رواروی ہے زمانے کا اعتبار نہیں

کھلا ہے میکدہ اک دورِ جام اور سہی
یہاں سے میرؔ گزرنا تو بار بار نہیں

بہار آئی ہے گل بداماں چمن میں ایسی ہوا چلی ہے
اِدھر نگاہوں کے میکدے ہیں اُدھر جوانی کی تشنگی ہے

گراں بہا ہیں یہ اشکِ خونیں کہ ان کے رشتے ہیں جان و دل سے
چراغ جلتے ہیں جو جگر میں انہیں کی آنکھوں میں روشنی ہے

ازل میں نکلا تھا اک مسافر کسی کی منزل کی آرزو میں
خدائی ساری اِدھر رواں ہے ہر اک کو منزل کی لو لگی ہے

اسی سے کون و مکاں کی رونق اسی سے دیر و حرم کے جلوے
یہ حسن و الفت کی ہے کشاکش یہ گرمیِ خونِ زندگی ہے

ہماری نظر میں

تسبیحِ رعنا

از:- رعنا اکبر آبادی، ضخامت ۱۳۲ صفحات، قیمت تین روپے
ملنے کا پتہ:- عدنان اکیڈمی ۲/۲۸۶ کاسموپولیٹن کالونی کراچی ۵

جناب رعنا اکبر آبادی کے کلام کے کئی مجموعے منظرِ عام پر آچکے ہیں، یہ اُن کے نعتیہ کلام اور مناقب کا مجموعہ ہے جس پر مولانا سید محمد ہاشم فاضل شمسی نے دیباچہ لکھا ہے، رعنا صاحب کہنہ مشق اور پرگو شاعر ہیں اور ادبی حلقوں میں خاصے معروف ہیں ——— "تسبیحِ رعنا" کے منتخب اشعار:-

ہر اک ذرہ سے ظاہر ہے تری قدرت کی گیرائی ۔ ہزاروں صورتوں میں ہیں ترے انداز یکتائی
ترے علم و بصیرت کے احاطے میں ہر اک شے ہے ۔ وہ ظاہر ہو کہ باطن ہو وہ محفل ہو کہ تنہائی (حمد)

دعائے بدر کی تبریک مجھ کو پیش کرنی ہے ۔ شہیدانِ اُحد کی نوحہ خوانی سے کے آیا ہوں
آج وہ بندِ غلامی توڑنے کو آئے ہیں ۔ آج اعجازِ نگاہِ بندہ پرور دیکھنا
خدا کرے مری صبحِ فراق رُخ بدلے ۔ خدا کرے کہ مدینہ پہونچ کے شام آئے
ہے اُمیدِ دید سے آنکھوں میں دم اٹکا ہوا ۔ اور کتنی دیر طیبہ کے نظر آنے میں ہے
گلِ معنیٰ کھلا جب رحمۃ اللعٰلمین آئے ۔ مشیت تھی کہ آخر میں بہارِ اولیں آئے
رسول اللہؐ کا عرفاں ہے عرفانِ خدا رعنا ۔ اگر ایماں نہ ہو اُن پر خدا کا کیا یقیں آئے
زہے فیضِ قدم جنت بہ داماں بن گئی دنیا ۔ چمن آرائے عالم ہے یہی پیغمبرؐ صحرا
پیام اس کا پیامِ حق کلام اُس کا کلامِ حق ۔ خدا کے حکم سے ساکت خدا کے اذن سے گویا
شورشِ طوفاں ہے ہم ہیں اور اندھیری رات ہے ۔ اب تمہارا ہے سہارا یا خدا کی ذات ہے
درود آتا ہے لب پر سلام آتا ہے ۔ زباں پہ جب شہِ بطحا کا نام آتا ہے
تصور کے کوئی کرشمے تو دیکھے ۔ یہیں سے نظر آرہا ہے مدینہ
اب فراموش ہو گئی دنیا ۔ یاد آئے محمدؐ عربی
(مصرعہ اولیٰ اگر یوں ہوتا ——— اب فراموش ہو گیا سب کچھ)
جامہ زیبی تن پہ نورِ محمدؐ پہ ہے ختم ۔ کالی کملی میں بھی گل پیرہنی پائی ہے

اک رات، جوابِ صبحِ روشن　　　معمور تجلیوں سے دامن
مصروفِ درود تھے فرشتے　　　رحمت کے تھے ہر طرف فرشتے
آیاتِ خدا کی روشنی تھی　　　برسات زمیں پہ نور کی تھی
سیارے خوشی کے ساتھ جھومے　　　خورشید و قمر نے پاؤں چومے
افلاک کے در کھلے ہوئے تھے　　　جبریل کے پر کھلے ہوئے تھے　(معراج)
منزلِ تو جب، تیری پیروی سے مل گئی　　　ورنہ تھے انساں کے رستے میں لاکھوں سومنات
تیرے الطاف و عنایات سے پاتے ہیں فروغ　　　چمنستان میں تگوفے یم و قلزم میں گہر
پھر کوئی دلیل کوئی حجت نہ رہی　　　کوئی تدبیر کوئی حکمت نہ رہی
یوں کام رسالت کا محمدؐ نے کیا　　　دنیا میں رسالت کی ضرورت نہ رہی

دوسرا رخ :—

طور پر ہے تو کبھی ہے رگِ جاں سے نزدیک　　　ہر جگہ تیری تجلی کی پذیرائی ہے　(ص ۳)

"کبھی" حشو و زاید ہے، اللہ تعالیٰ "کبھی" نہیں ہر آن رگِ جاں سے نزدیک ہے !

دامن خاک کو پھولوں سے بھرا ہے تو نے　　　کتنا رنگین ترا ذوقِ چمن آرائی ہے

اللہ تعالیٰ سے "ذوق" کی نسبت کسی طرح مناسب نہیں ! ذوق و مزاج اور طبیعت و وجدان کا تعلق انسانوں سے ہے۔

ازل سے تا ابد پھیلا ہوا ہے کارواں تیرا　　　تماشا ہے کہ پھر بھی یوسفِ بے کارواں تو ہے　(ص ۹)

اللہ تعالیٰ کو "یوسفِ بے کارواں" کہنا درست نہیں، "یوسف بے کارواں" میں تو بے کسی اور کس مپرسی کی طنز پائی جاتی ہے۔

جسے محفوظ رکھا تھا فضائے عہد پیری تک　　　وہ جذباتِ عقیدت کی جوانی لے کے آیا ہوں　(ص ۱۱)

"فضا" زاید ہے، "عہد پیری" پہ بات ختم ہو جاتی ہے !

تمہارے امتحانِ عشق کے قابل نہیں پھر بھی　　　دلِ مضطر میں شوقِ امتحانی لے کے آیا ہوں

"شوقِ امتحانی" نے شعر کو کمزور کر دیا۔

مدینے تک پہنچ جاؤں تو پھر تم سے دعا مانگوں　　　کہ میں ارمانِ مرگِ ناگہانی لے کے آیا ہوں

"دعا" صرف اللہ تعالیٰ سے مانگنی چاہیے کہ اسی کی ذات سمیع الدعا ہے !

کلامِ خدا لا کے بندوں کو بخشا　　　امانت ہو ایسی تو ایسا امیں ہے　(ص ۱۵)

مصرعہ اولیٰ میں شاعری کا کوئی لطف نہیں !

دکھا کے دین میں اک حسنِ سادگی تم نے　　　تکلفات کی محفل اُجاڑ دی تم نے　(ص ۲۲)

مصرعہ ثانی کمزور ہے اس میں "اک" خاص طور سے کھٹکتا ہے، پھر نعت رسولؐ کا یہ انداز بھی محلِ غور ہے کہ حضورؐ نے تکلفات کی محفل کو اُجاڑ دیا، کہنا یوں چاہیے تھا کہ تکلفات کو سادگی سے بدل دیا۔

نہیں منظور دنیا کو تکلف کا سبق دینا　　　اشارہ ہو اگر زیرِ قدم عرش بریں آئے　(ص ۲۷)

یہ تو کوئی بات ہی نہیں ہوئی !؟

جہاں کا ذرہ ذرہ ہے مرتب عشق احمدؐ سے
کہیں نے پتہ پتہ نغمہ زن دیکھا ہے گلشن میں (صفحہ ۳)

مصرعہ اولیٰ یوں ہونا چاہیے تھا ـــ

جہاں کے ذرے ذرے میں جھلک ہے نورِ احمدؐ کی (یا حسنِ احمدؐ کی)

"عشق" کا ذروں سے مرتب ہونا، کوئی قرینہ کی بات نہیں ہے، مصرعہ ثانی میں نعت رسولؐ کا پہلو کہاں پیدا ہوتا ہے گلشن کے پتہ پتہ کی زبان پر نعتِ رسولؐ ہے ـــ اس طرح کی بات کہی جاتی تو پورا شعر نعت کا شعر ہوتا۔ مصرعہ ثانی میں "کہ" حشو و زاید ہے۔

تمہارے دیکھنے والوں کی نظریں عرش تک پہونچیں
اُلجھ کر رہ گئیں موسیٰ کی نظریں وادیِ ایمن میں (صفحہ ۲۰)

اس قسم کی نعت جس سے دوسرے انبیاء کرام کی تنقیص ہوتی ہو، دینی نقطۂ نگاہ سے سخت ناپسندیدہ ہے!

غنچہ و گل جس کی خاطر مسکرائے صبح و شام
وہ نگارِ صد بہارِ سرمدی پیدا ہوا (صفحہ ۲۳)

"نگارِ صد بہارِ سرمدی" مہمل ترکیب ہے۔

محبت کی حبیبِ حق سے ہیں نے اور نمایاں کی
مذاقِ عشق میں ہے دیدنی جرأت مسلماں کی (صفحہ ۵۰)

"نمایاں" کی جگہ "برملا کی" کہنا چاہیے تھا ـــ دوسرا مصرعہ شاعر کی نومشقی اور ناپختگی کو ظاہر کرتا ہے۔

بے روح کے جسم کچھ نہیں ہے
بے جسم کے روح شرمگیں ہے (صفحہ ۸۳)

"شرمگیں" کا استعمال غلط ہوا ہے، شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ جسم کے بغیر روح کی فعالیت (ACTIVITY) ظاہر نہیں ہوتی، اور اس کے جوہر نہیں کھلتے "شرمگیں" سے اس مفہوم کی ترجمانی کہاں ہوتی ہے۔

فیض رسولؐ سے جو مصفا چلن ہوئے
جو بت تراش تھے وہی اب بت شکن ہوئے (صفحہ ۸۸)

مصرعہ ثانی جتنا جاندار ہے اتنا ہی مصرعہ اولیٰ بے جان ہے، "چلن کا مصفا" ہونا یہ کہاں کی زبان ہے۔

جلووں سے جس کے موسیٰ عمران غش ہوئے
جبریل جس کے صحن میں جاروب کش ہوئے (صفحہ ۸۹)

حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ کا نور دیکھ کر غش ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلووں سے طور کا واقعہ غیر متعلق ہے، حضرت جبریل کو صحنِ بیت نبیؐ کا جاروب کش کہنا بھی بے جا مبالغہ ہے، قرآن کریم تو یہ کہتا ہے کہ

وعلمہ شدید القویٰ (النجم)

یعنی جبریل (شدید القویٰ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو وحی کی تلاوت سکھلائی!

وحدانیت کا رُخ تھا وصالِ حضور میں
اک موج نور جا کے ملی موج نور میں (صفحہ ۹)

مصرعہ اولیٰ الفاظ کے دروبست کے لحاظ سے کمزور ہے ـــ پھر یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے کہ وصال کے بعد نورِ رسولؐ، نورِ خدا سے جا کر مل گیا تھا! اللہ تعالیٰ کے نور اور ذات سے حلول و اتحاد کی نسبت اسلامی تعلیمات کے منافی ہے!

السلام اے نور بخشِ چشمِ یعقوب السلام
السلام اے قادرِ مطلق کے محبوب السلام (صفحہ ۹۹)

حضرت سیدنا یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں کو نور سیدنا محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں اللہ تعالیٰ نے بخشا تھا۔

تیرے لفظوں میں حلاوت تیری باتوں میں مزا
بے حقیقت ہیں ترے الفاظ سے قند و نبات (صفحہ ۱۰۱)

مصرعہ ثانی میں "بے حقیقت" اور "سے" نے شعر کو کمزور کر دیا۔

السلام اے صاحبِ تسخیرِ شاہ ذوالفقار السلام اے گلشنِ عہدِ خلافت کی بہار (ص۱۱)

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہ "صاحبِ ذوالفقار" تھے یا "صاحبِ تسخیرِ شاہِ ذوالفقار" تھے۔ یہ کیا کہ مصرعہ کا وزن پورا کرنے کے لئے جو الفاظ بھی ذہن میں آئے، جوڑ دیئے!

السلام اے شرحِ اوصافِ جلی (ص۱۲)

"اوصافِ جلی" پھر اُن کی "شرح" یہ آخر کیا اندازِ بیان ہے۔

السلام اے رہنمائے ہر نبی؟

انبیاء کا ہادی اور رہنما اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں تھا! انبیاء علیہم السلام پر وحی اللہ تعالیٰ نے بھیجی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بھیجی تھی۔

خرمنِ آرزو نہ جل جائے جانِ ایمان سے نکل جائے (ص۱۳)

رعنا اکبر آبادی جیسے کہنہ مشق شاعر کے یہاں اس قسم کے سطحی اشعار دیکھ کر حیرت بھی ہوتی ہے اور افسوس بھی!

نکلا نہ دو عالم میں جو ثانی ان کا بات اور بڑھی احمد بے میم ہوئے (ص۳۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "احمد بے میم" کے پردے میں "احد" کہنا، مشرکانہ فکر ہے! حضور اللہ تعالیٰ کے سچے رسول تھے اور اُس کے بندے تھے! (عبدہٗ و رسولہٗ)

سبز گنبد کے مکیں میری مدد فرمایئے[1]

یا رسول اللہ صدقہ اپنی آلِ پاک کا رحم کر کے ختم کر دیجے مرا حالِ زبوں

ہم بھی اُنہیں کے در پر آئے ہیں بھیک لینے ہر دوزخی کو کر دے جن کا کرم بہشتی (منقبت)

اللہ تعالیٰ کے سوا غیر اللہ سے استغاثہ چاہے وہ انبیاء اور اولیاء ہی کیوں نہ ہوں جائز نہیں ہے، قرآن کریم میں بار بار اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سمیع و بصیر، علیٰ کل شئی قدیر اور سب کا فریاد رس اور مشکل کشا ہے! اُسی سے اور صرف اُسی سے استغاثہ اور دعا کرنی چاہیے۔

جناب رعنا کا نعتیہ کلام اُن کی عاشقانہ غزلوں اور رباعیات کے جوڑ کا نہیں ہے!

سہ ماہی "العلم" غالب نمبر

ایڈیٹر: سید الطاف علی بریلوی،
ضخامت ۲۳۲ صفحات - قیمت دس روپے
ملنے کا پتہ: آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس ناظم آباد کراچی ۱۸

سہ ماہی "العلم" بلند پایہ علمی اور ادبی مجلہ ہے، جس کے مضامین ادبی حلقوں میں دلچسپی کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں "العلم" کا ضخیم "غالب نمبر" گرانقدر اور ادبی پیشکش ہے، غالب کے فن اور شخصیت کے تمام پہلو اس شمارہ خاص میں دکھائے گئے ہیں یہاں تک کہ پروفیسر حبیب اللہ صاحب غضنفر نے "غالب میری نظر میں" مرزا کی زندگی کے تاریک رُخ کو بھی نمایاں کر دیا ہے اور اس کی ضرورت تھی غالب انسان تھے فرشتہ نہیں تھے، اُن کے دامنِ کردار پر کچھ داغ دھبے بھی نظر آتے ہیں!

---

[1] یہ مصرعہ شاعری کے ساتھ مذاق ہے

"غالب نمبر" کا آغاز سرسید احمد خاں مرحوم کے مضمون سے ہوتا ہے جو "آثار الصنادید" سے لیا گیا ہے سرسید نے مرزا غالب کے بارے میں جو یہ لکھا ہے :-

"... سحبان ان کی حسرتِ کمال سے ایسا رو یا کہ اس کی بینائی چشم فقط عقر آب سے بنی تھی ——— خاقانی اس خسروِ معنیٰ کی کمتر رعیت ——— ملاحت کلام سعدی ان کے خوانِ فیض کا نمک خوار اور شیرینی زبان حافظ ان کی نعمت مقال سے روزینہ دار ..."

اس میں بے جا مبالغہ پایا جاتا ہے ! سعدی ہر اعتبار سے مرزا غالب سے بڑے شاعر ہیں اور خاقانی، حافظ اور سحبان نے مرزا غالب سے کسب فیض نہیں کیا یہ بھی واقعیت کے خلاف ہے ! آثار الصنادید میں دہلی کی جن شخصیتوں کا ذکر کیا گیا ہے اُن میں سرسید کے قلم نے اکثر و بیشتر مبالغہ کا کمال دکھایا ہے -

پروفیسر ممتاز حسین جو اُردو کالج میں شعبہ اُردو کے صدر ہیں اُن کے مقالہ میں زبان و بیان کی کمزوریاں پائی جاتی ہیں -

"مگر غالب اپنی سحر بیانی اور لطفِ کلام کو ذرا دیر میں پہونچے"

زبان کے اعتبار سے یہ جملہ کمزور ہے، اس طرح کون بولتا اور لکھتا ہے کہ فلاں شاعر اپنے لطفِ کلام کو ذرا دیر میں پہونچا ! مضمون نگار کہنا یہ چاہتے ہیں کہ خاصی مدت کی مشق اور تجربہ و مشاہدہ کے بعد غالب کے کلام میں لطف پیدا ہوا !

"غالب کی یہ حقیقت نگاری اعصابی حقیقت نگاری نہیں ہے" (ص ۶۵)

"اعصابی حقیقت نگاری" کس بلا کا نام ہے ؟

"یہاں غالب کی روشن خیالی نے سرسید کی مذہبی اصلاحی تحریک کے لئے راہ ہموار کی" (ص ۶۶)

یہ بات سو فیصدی غلط ہے کہ مذہب میں غالب کی روشن خیالی نے سرسید کی مذہبی اصلاحی تحریک کی راہ ہموار کی تھی ! جہاں تک واعظ، زاہد، تسبیح و سجادہ اور جنت و آخرت پر طنز کا تعلق ہے غالب سے پہلے شاعروں کے یہاں بھی ایسے اشعار ملتے ہیں جو شاعر یہ عقیدہ رکھتا ہو :-

مشغول حق ہوں بندگیٔ بو تراب میں

وہ مذہب کے معاملہ میں جامد مقلد ہو گا نہ کہ متجدد اور روشن (آزاد) خیال !

"غالب نے شمعِ یونان کی لو از سرِ نو زندہ کی"

اول تو "لو کو زندہ کرنا" غلط زبان ہے پھر یونان کے فلسفہ سے غالب کی شاعری کا ڈانڈا باندھنا واقعیت کے ساتھ ایک طرح کا مذاق ہے اشراقیت و مشائیت کے فلسفہ سے غالب کہاں واقف تھا، اس کے زمانے میں افلاطون کی ریاست اُردو یا فارسی میں کہاں منتقل ہوئی تھی، ارسطو کی استقرائی منطق پر غالب نے کون سی کتاب پڑھی تھی ؟ مرزا غالب کی شاعرانہ عظمت اپنی جگہ مسلم ہے ——— راقم الحروف نے اُن کی خدمت میں ان الفاظ میں :-

تو شاہنشہ ملک شعر و سخن ہے
ہمیں دولتِ فکر و فن دینے والے

منظوم خراج عقیدت پیش کیا ہے مگر اس اعتراف کے باوجود نہ تو میں غالب کو سعدی سے بڑا شاعر سمجھتا ہوں اور نہ مرزا غالب کی تعریف ان لفظوں میں کرتا ہوں کہ انہوں نے یونان کے فلسفہ کو نئی زندگی بخشی تھی اور فلسفیانہ علوم کی بجھتی ہوئی شمع کو روشن کیا تھا !

جناب ملا واحدی دہلوی کے مضمون سے اس کا علم ہوا کہ ملا صاحب موصوف نے اپنی جوانی کے زمانے میں شاعری بھی کی ہے اور اُن کا تخلص خادم تھا ــــــ اس مضمون سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مولانا عبدالرحمٰن راسخ دہلوی نے مثنوی مولانا روم کا منظوم ترجمہ کیا تھا ورنہ اب تک تو حضرت سیماب اکبرآبادی کے منظوم ترجمہ کو ہم مثنوی کا سب سے پہلا اُردو منظوم ترجمہ سمجھتے تھے۔

"العلم" کا غالب نمبر کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے قابل قدر ادبی پیشکش ہے اور اس کا ادارہ تحسین و تبریک کا سزاوار ہے!

بھٹو پر قاتلانہ حملے

مولف :۔ جمیل احمد رانا، ضخامت ۲۴ صفحات ۔قیمت ۲۵ پیسے

ملنے کا پتہ :۔ دارالفکر، اچھرہ، لاہور

اس کتابچہ میں مسٹر ذوالفقار بھٹو کے مبینہ قاتلانہ حملوں کا پوسٹ مارٹم کیا گیا ہے کہ ان قاتلانہ حملوں میں کتنی اصلیت ہے یہ شوشے کیوں چھوڑے جاتے ہیں! اور اس "اسٹنٹ" کا کیا پس منظر ہے؟ سوشلزم اسی مزاج و کردار کے لیڈروں کو جنم دیتا ہے، جو پر کا کوا بنا سکتے ہیں اور "تصنیف بندہ" کے فن میں "لسانِ طویل" رکھتے ہیں!

علماء اور اسلام

از :۔ پیر علی محمد راشدی، ضخامت ۱۸ صفحات، قیمت تیس پیسے

ملنے کا پتہ :۔ دارالفکر اچھرہ، لاہور

جناب پیر علی محمد راشدی کے اس مقالہ کا آغاز اس عبارت سے ہوتا ہے :۔

"میں علماء کرام سے دست بستہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ خدارا کچھ عرصہ کے لئے اپنے نفاقی جھگڑے بھول جائیں اور سب متفق اور متحد ہو کر قوم اور ملک کو اس خطرے سے نجات دلوائیں جو "سوشلزم" کی صورت میں ہم سب کے سر پر منڈلا رہا ہے"

دعوتِ اتحاد کے ساتھ پیر صاحب موصوف نے پاکستان کے "علماء سوء" کی نشاندہی بھی کی ہے :۔

"پس یہ منظر سامنے رکھتے ہوئے اگر آج بھی یہ نظر آئے کہ تاریخ اپنے آپ کو دُہرا رہی ہے اور علماء سوء کا ایک نیا گروہ میدان میں وارد ہو چکا ہے جو مسلمانوں کو "روٹی کپڑے" کا جھانسہ دے کر "سوشلزم" کے کیمپ میں لے جانا چاہتا ہے اور اس طرح وہ ایک ہی ضرب میں دین اور پاکستان دونوں کی جڑ کاٹنا چاہتا ہے"

یہ کتابچہ اپنی افادیت کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ اشاعت کا مستحق ہے۔

سوشلزم مزدور کو کیا دیتا ہے

از :۔ ثروت جمال اصمعی، ضخامت ۱۶ صفحات، قیمت ۱۵ پیسے

ملنے کا پتہ :۔ دارالفکر، اچھرہ لاہور

اس کتابچہ میں بتایا گیا ہے کہ سوشلزم بدترین سرمایہ داری ہے

اور

"یہ سوشلزم) محض ایک دھوکا ہے اور غریب طبقہ کے خلاف سرمایہ داروں کی خوفناک سازش ہے"

"اس نظام میں آدمی آدمی نہیں رہتا، کولھو کا بیل بن جاتا ہے"

سوشلزم مزدوروں سے ہڑتال کا حق چھینتا ہے، نوکری کے بدلنے تک پر سخت پابندیاں اور بے جا سختیاں ہیں، سوشلسٹ حکومتوں

ملیں بدترین عدم مساوات، اور تنخواہوں میں بے تحاشہ فرق و تفاوت پایا جاتا ہے۔

سوشلزم کے مقابلے میں اسلام انسان کے اندر انقلاب پیدا کرتا ہے، اسلامی مساوات ڈھونگ نہیں حقیقت ہے۔ اسلامی حکومت ہر شہری کی بنیادی ضروریات کو پورا کرتی ہے۔ اسلامی عدالت کی نظر میں سب برابر ہوتے ہیں اور ہر شخص کو اظہار خیال کی مکمل آزادی ہوتی ہے۔

ہزاروی گروپ اور لیبر پارٹی

از:۔ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف
ضخامت ۴۸ صفحات، قیمت ۵۰ پیسے
ملنے کا پتہ:۔ دارالفکر، اچھرہ، لاہور

نام نہاد جمعیت علماء اسلام نے لیبر پارٹی سے جو معاہدہ کیا ہے اُس کا دل خراش پس منظر اور اس معاہدہ سے پیدا شدہ اور اور آئندہ پیدا ہونے والے ہولناک نتائج کو پیش کیا گیا، مولانا عبدالرحیم اشرف نے کتنی سچی بات کہی ہے۔

"ہم اس عنوان پہ شدید ذہنی کرب محسوس کرتے ہیں کہ وہ علماء کرام جو دعوت نبوت کے وارث ہونے کے دعویدار ہیں اُن کا مقام یہ تھا کہ انسانی مسائل کو نور نبوت کی روشنی میں سمجھتے اور اسوۂ رسالت کی رہنمائی میں اُنہیں حل کرتے لیکن افسوس ان کی ایک اہم تعداد پیش آمدہ مسائل میں چلتے نعروں اور رائج تصورات کی رو میں بہی جارہی ہے اور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے رہنمائی طلب کرنے کے بجائے اپنے زمانے کے گمراہ مفکرین کے پروپیگنڈے کا شکار ہو رہی ہے"

پاکستانی ثقافت کے چند پہلو

از:۔ فضل احمد کریم فضلی، ضخامت ۴۰ صفحات، قیمت ۴۰ پیسے
ملنے کا پتہ:۔ دارالفکر اچھرہ، لاہور

جناب فضل کریم فضلی نے مفکرانہ انداز میں پاکستانی ثقافت کے خدو خال کو اُجاگر کیا ہے اور وطنی عصبیت اور انٹرنیشنلزم پر بڑے سلیقہ سے تنقید کی ہے اور ان کو پاکستان اور اسلام کے مزاج سے غیر ہم آہنگ بتایا ہے۔ فضلی صاحب نے بڑے پتے کی بات کہی ہے:۔

"سوشلزم کے علمبرداروں کو جب ان دلائل کا کوئی معقول جواب سمجھ نہیں آتا جو ان کے خلاف پیش کئے جاتے ہیں تو اخلاقی جرأت سے عاری ہونے کی وجہ سے وہ یہ کہنے پر اتر آتے ہیں کہ فلاں شخص امریکہ کا ایجنٹ ہے، فلاں برطانیہ کا"

— اور —

"واقعہ یہ ہے کہ یہ نظام (سوشلزم) سخت سے سخت ظلم ڈھائے بغیر، انتہائی خوف و ہراس کئے بغیر ہر قسم کی آزادی سلب کئے بغیر وجود میں آہی نہیں سکتا اور نہ قائم رہ سکتا ہے۔ ۔ ۔"

اس کتابچہ میں پاکستان کے مقصدِ وجود کو نمایاں کیا گیا ہے اور دین و اخلاق کی دل نشین اسلوب میں ترجمانی کی گئی ہے ــــــــ

آئندہ انتخابات اور قوم کی ذمہ داریاں

از :- مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ضخامت ۲۴ صفحات قیمت ۳۰ پیسے
ملنے کا پتہ :- تحریک اسلامی پبلیکیشنز ۶ بی ذیلدار پارک اچھرہ، لاہور

اس کتابچہ میں دورِ حاضر کے عظیم ترین اسلامی مفکر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی چند تقریروں کو یکجا کیا گیا ہے جن میں انتخاب کے بارے میں قوم کی ذمہ داریوں کی نشاندہی کی گئی ہے، فرماتے ہیں :-

"اسی لئے میں کہتا ہوں کہ یہ ہماری تاریخ کا انتہائی نازک مرحلہ ہے اس سے پہلے ہماری تاریخ میں ایسا نازک مرحلہ کبھی پیش نہیں آیا۔ درحقیقت اب انتخابات میں جس کا فیصلہ ہونا ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان کو ایک ملک رہنا ہے یا نہیں رہنا ہے اور اس کا آئندہ نظام اسلام ہوگا یا کچھ اور۔ . . . . . "

ملک کا نظم و نسق اور امن و امان برقرار رکھنے کی حکومت پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے اُس کی جانب مولانا نے جو لطیف مگر انتہائی اہم اشارہ کیا ہے وہ ارباب حکومت کے غور و فکر کا مستحق ہے۔

"مارشل لاء کی حکومت سے کوئی شخص یہ توقع نہیں رکھتا کہ وہ محض ایک فتویٰ صادر کرے اور اس فتوے کی جب خلاف ورزی ہو تو وہ ایک کلمہ نصیحت ارشاد فرما دے، مگر اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ جب اس نے انتخابات کا اعلان کیا ہے تو وہ اس ضابطہ اخلاق کی پابندی بھی کرائے۔ . ."

یہ کتابچہ زیادہ سے زیادہ ہاتھوں میں ہونا چاہیے، اس سے پاکستان کی موجودہ صورت حال کے سمجھنے میں بصیرت ملتی ہے۔

جامعہ (دلّی) غالب نمبر

مجلس ادارت :- پروفیسر محمد مجیب، ڈاکٹر سید عابد حسین، ڈاکٹر سلامت اللہ، ضیاء الحسن فاروقی، ضخامت ۲۰۰ صفحات۔ قیمت دو روپے
ملنے کا پتہ :- جامعہ ملیہ، جامعہ نگر، نئی دہلی

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے مشہور آرگن مجلہ "جامعہ" نے "غالب نمبر" بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے، مضامین بلند پایہ، باوقار اور سنجیدہ ہیں، بعض مقالے تحقیق و معلومات کا شاہکار ہیں، ایک آدھ مضمون میں کہیں کہیں نام نہاد "ترقی پسندوں" کا انداز بیان بھی نظر آیا —— مثلاً :

"ان اشعار کی آنسوؤں میں نہائی ہوئی مستی ایک تجربہ ہے جس کی جھنکار ان ایسے اشعار میں بھی سنائی دیتی ہے۔ . . ." (صفحہ ۹۱)

صفحہ ۱۸۶ پر یہ عبارت نظر سے گزری ——

"غالب کے متبنیٰ زین العابدین عارف جو ایک خوش فکر شاعر تھے اور جن سے غالب کو بڑی محبت تھی، انتقال ہوا، مرزا غالب کے قریب ہی اُن کو دفن کیا گیا" (ص ۱۸۶)

اس اقتباس سے تو ایسا مترشح ہوتا ہے کہ عارف کے انتقال سے پہلے ہی مرزا غالب مر چکے تھے اور مرزا کی قبر کے قریب عارف کو دفن کیا گیا۔ حالانکہ غالب نے عارف کا مرثیہ لکھا ہے!

"نظام رام پور نواب یوسف علی خاں کا انتقال ہوا" (صفحہ ۱۸۹)

"نظام" تو آصف جاہی والیانِ دکن کا موروثی خطاب اور لقب تھا، ناظمؔ نواب یوسف علی خاں کا خطاب نہیں تخلص تھا، لکھنا یوں چاہیے تھا۔

"والیٔ رام پور نواب یوسف علی خاں ناظمؔ کا انتقال ہوا"

صفحہ ۱۶۵ پر :-

"مگر مولوی فاروق چڑیاکوٹی جیسا معقولات ریاضی اور ادب کا استاد غالب کو ایک غیر معیاری شاعر نہیں سمجھتا رہا ہوگا"

"نہیں سمجھتا رہا ہوگا" یہ عجیب قسم کی زبان ہے۔

"اور اس میں غزل کے آداب کا بوجھ اٹھانے کی صلاحیتیں پیدا ہوگئی تھیں" (ص ۲۹)

غزل کے آداب کو "بوجھ کہنا" بے ذوقی کی دلیل ہے، غزل اور اس کے آداب تو انتہائی لطیف ہوتے ہیں!

جناب ضیاء الحسن فاروقی کے مقالہ میں مرزا غالب کے فارسی اشعار کا اچھا انتخاب ملتا ہے، غالب کی فارسی شاعری پر اربابِ قلم کو اب کام کرنے کی ضرورت ہے!

جامعہ کے "غالب نمبر" کی تدوین و اشاعت پر اس کے ارکانِ ادارہ کی خدمت میں ہم مبارکباد پیش کرتے ہیں، لکھائی چھپائی اور کاغذ کے اعتبار سے بھی یہ شمارہ خاص معیاری ہے!

BURMAH-SHEL

ایک نیا باب

PBS

برماشیل اب پاکستانی کمپنی بن گئی ہے

آج چالیس سال سے برماشیل کا نام بچے بچے کی زبان پر ہے۔ برماشیل ایک تیل کی کمپنی ہی کا نام نہیں بلکہ یہ گاہکوں کی تسلی بخش خدمت کی مسلمہ علامت بھی ہے۔

ہمیں پاکستانی کمپنی بننے پر فخر ہے۔ ہمیں اس بات پر بھی فخر ہے کہ ہم بدستور شیل اور برما آئل کمپنی کی مشہور عالم مصنوعات کی تقسیم کاری کرتے رہیں گے اور ان کے بین الاقوامی وسائل اور ریسرچ سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔

گاہکوں کی تسلی بخش خدمت ہمارا شعار رہا ہے۔ پاکستان برماشیل کی حیثیت سے ہماری یہ کوشش ہوگی کہ ہم اپنی خدمات کے معیار کو اور بھی بہتر بنائیں۔

خدمت کا نشان

پاکستان برماشیل

FARAN Karachi – June 1970. Regd. S. No .1262

انٹرنیشنل پریس کراچی